ذکر ہو، اس میں آپ سے قبل عرب کے عام نظم و نسق، دفاع، مالیہ، عدلیہ اور تعلیم و تربیت وغیرہ مختلف شعبوں کا ذکر ہو اسکے بعد دفاع و غزوات پر ایک مستقل خطبہ ہو، نویں خطبہ میں دو نبوت کے نظام تعلیم اور آپکے علوم کی سرپرستی فرمانے کا ذکر ہو ایک خطبہ میں عہد نبویؐ کے تشریعی نظام اور عدلیہ پر مفید گفتگو کی ہو، ایک اور خطبہ میں مالی نظام اور تقویم پر بحث کی گئی ہے آخری خطبے میں رسول اللہؐ کی تبلیغ اسلام کے طریقے اور غیر مسلموں کے ساتھ آپ کی رواداری اور شریفانہ برتاؤ کی تفصیل پیش کی ہو خطبوں کے بعد ڈاکٹر صاحب سے سوالات کئے جاتے تھے اور وہ انکے جواب دیتے تھے ہر خطبہ کے آخر میں یہ سوال و جواب بھی درج ہیں جو دلچسپ اور معلومات پر ہیں اسلامی علوم کی تاریخ، قانون بین الممالک اور عہد نبویؐ کا نظام دفاع و تعلیم وغیرہ پر ڈاکٹر صاحب کی مستقل کتابیں پہلے چھپ چکی ہیں اور وہ ان موضوعات پر برابر غور و فکر اور تحقیق فرماتے رہے ہیں، اسلئے یہ خطبے انکے برسوں کے مطالعہ کا نچوڑ ہیں ڈاکٹر صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہو کہ وہ اپنے وسیع مطالعہ کی بنا پر مسلمانوں کے مختلف فقہی و اعتقادی گروہوں کے بارہ میں بڑے معتدل واقع ہوئے ہیں اور مختلف فیہ مسائل میں اپنی رائے مسلط کرنے کے بجائے ہر شخص کو اسکے مسلک پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں، بعض مسائل میں نقطۂ نظر دوسروں سے مختلف ہو، مثلاً موسیقی کا جواز، ٹیلیویژن دیکھنے کی حرمت، ناموس سے تورات مراد لینا، رجم کو قرآن سے اسطرح ثابت کرنا کہ تورات میں زنا کی یہی سزا تھی جسکو رسول اللہؐ نے اسلئے برقرار رکھا کہ آپؐ کو قرآن نے یہ ہدایت کی تھی کہ جن چیزوں کے بارہ میں آپؐ کو کوئی وحی نہیں کیگئی ہے ان میں اہل کتاب کے حکم پر عمل کریں وغیرہ، ڈاکٹر صاحب نے قرآن کے بیان کردہ مصارف زکوٰۃ کی تفصیل و تعیین میں قدیم فقہاء کی رائے پر اکتفا نہ کرکے انکی بہت سی مزید صورتیں بھی بتائی ہیں اور غیر مسلموں اور مجبوری کی حالت میں سادات کو بھی زکوٰۃ دئے جانے کا جواز ثابت کیا ہو انکے نزدیک فی سبیل اللہ سے فوجی ضرورتوں کے علاوہ مسجدوں، سرایوں اور مدرسوں کی تعمیر اور مردوں کی تجہیز و تکفین بھی کی جاسکتی ہو، ابن السبیل میں مسلم و غیر مسلم، سڑکوں اور ریلوں کی تعمیر، سڑکوں کیلئے محافظ پولس کا انتظام وغیرہ بھی شامل ہو، وہ مردہ کی آنکھ زندہ کو اور مریض کیلئے تندرست کے خون دینے کو جائز سمجھتے ہیں، بینک یا کسی اور سود کو اس صورت میں جائز قرار دیتے ہیں جب قرض دینے اور لینے والے منفعت اور خسارے میں برابر کے تناسب سے شریک رہنے پر آمادہ ہوں انکو یقین ہو مجبور اشخاص بوقت ضرورت سود پر قرض لے سکتے ہیں لیکن اس صورت میں بھی سود خوار کو اللہ معاف نہ کریگا وغیرہ ان مسائل میں اختلاف رائے کی گنجائش ہو سکتی ہو مگر انکے حل اور غور و فکر کی راہ بھی ہموار ہوتی ہو، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہو، یہ تحسین کی مستحق ہو، طباعت کے اغلاط ڈاکٹر صاحب نے علحدہ کاغذ پر تحریر کرکے کتاب کے ساتھ منسلک کر دئے ہیں۔

"ض"

جلد ۱۳۱ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۸۳ء عدد ۳

مضامین

مقالات

وفیات

شذرات

اس برصغیر کے نامور علم دوست اور علم نواز جناب حکیم محمد سعید دہلوی نے کراچی سے جناب سید امیر علی
کی انگریزی میں کلام پاک کی تفسیر کی پہلی جلد Quran: The Fundamental Iaw of-
Human Life - بھیج کر ایک بہت ہی قیمتی تحفہ سے نوازا،

جناب سید امیر علی صاحب پاکستان کے سپریم کورٹ کے ایڈوکیٹ ہیں، اب تک حسب ذیل کتابیں
لکھ چکے ہیں (۱) Life-the Essential of Ultimate Reality
(۲) Religion -the Science of Life (۳) Islam-the Religion
(۴) Real Tragedy of the Human Life (۵) Real Achievement -
of the Human Life (۶) - Seal of Prophethood

یہ وہ کتابیں ہیں جن سے اسلام کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی، اب جناب سید امیر علی انگریزی میں دس
جلدوں میں قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کے علمی جہاد میں مشغول ہو گئے ہیں، جس کی پہلی جلد
سید پبلیکیشن، ۲۰۶، لائرز چیمبر، محمد علی جناح روڈ کراچی نمبر ا سے شائع ہوئی ہے،

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوگا کہ اس کے شروع میں پاکستان کے دیدہ ور،
صاحب دلِ توحید اور رسالت کے رازِ نہاں کے واقف کار، مصنف، خطیب، قانون دان،
اور مدبر جناب اے کے بروہی صاحب کا ایک مقدمہ ہے، جو ایک سو چھبیس (۱۲۶) صفحے پر مشتمل ہے،
یہ مقدمہ خود ایک مستقل تصنیف ہے، جس میں کلام اللہ کے مطالعہ سے متعلق ہر قسم کی موشگافیاں
کر کے عہد حاضر کے ذہنی، نفسیاتی، تمدنی، معاشی، سیاسی، مادی اور مذہبی امراض کا مداوا پیش کیا
گیا ہے، اس کو پڑھ کر بے اختیار دل کہہ اٹھتا ہے: ع ابھی محفل میں ہے شاید کوئی درد آشنا باقی
وہ مشکک ذہن جو اندازِ فرنگ کی بجلی کے چراغوں کے جوہر کی براتی سے چکاچوند ہو رہا ہے اس مقدمہ

کو پڑھے گا تو وہ محسوس کریگا کہ جس سے دنیا کی تدبیریں الٹ جاتی ہیں اور تقدیریں بدل جاتی ہیں وہ اس میں
موجود ہیں، یہ تحریر قرون اولیٰ کی دیدہ وری اور رمز شناسی کی یاد تازہ کرتی ہے،

اس تفسیر کی خوبی یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے ابواب میں وہ تمام باتیں بہت ہی صاف اور دلنشیں انداز میں
قرآن پاک کے ذریعہ سے سمجھا دی گئی ہیں جو انسانی ذہن میں اس مقدس کتاب سے متعلق آتی رہتی ہیں، پہلے باب میں
توریت، انجیل، وید، اوستا اور بودھ مذہب کے لٹریچر میں کیا کیا چیزیں ہیں، ان کو بتانے کے بعد قرآن پاک کی اہمیت
دکھائی گئی ہے، دوسرے باب میں وحی، وحی کے اقسام، نزول قرآن، تحفظ قرآن، کتابت قرآن، تدوین قرآن، ترتیب
قرآن اور لغات و اعراب قرآن کی تفصیل ہے، تیسرا باب آیات، سورتیں، منازل، رکوع، حروف مقطعات،
محکمات اور متشابہات اور ناسخ و منسوخ پر ہے، چوتھا باب تلاوت، آداب تلاوت، آیات سجدہ، رموز اوقاف
اور قراتِ سبعہ پر ہے، پانچواں باب تفسیر، تاویل، تفسیر کی قسمیں، علم الاصول، قرآن پاک کے الفاظ کی قسمیں مثلاً
خاص، عام، مشترک، مؤول، پھر آیات کے اقسام مثلاً، ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ پھر
حروف کے استعمال مثلاً حقیقت، مجاز، صریح اور کنایہ پر ہے اسی میں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین نے کلام
پاک کی جو تفسیریں کیں، عربی، اردو، انگریزی میں اور شیعوں کے یہاں جو تفسیریں لکھی گئی ہیں، اور قرآن
پاک کے جو مختلف ترجمے ہیں اُن کا بھی ذکر ہے،

چھٹے باب میں قرآن پاک سے جو اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق
جو کچھ فرمایا ہے، یا انجیل میں اس کا ذکر جس طرح آیا ہے، یا غیر مسلموں نے اس کے متعلق جن خیالات کا اظہار
کیا ہے یا اس پر جو اعتراضات ہوتے رہتے ہیں اُن کی تفصیل ہے، ساتویں باب میں قرآن اور دیگر علوم
قرآن اور فلسفہ، قرآن اور سائنس، قرآن اور تصوف، قرآن اور فقہ کے عنوانات سے علحدہ علحدہ مباحث
ہیں، اجتہاد، اجماع، قیاس، استحسان، استصلاح، مصالح مرسلہ، استدلال، علت، عرف، تقلید،
اصول اجتہاد کے قیود اور مجتہدین کے اوصاف پر پورے معلومات جمع کر دیئے گئے ہیں، آٹھویں
باب میں قرآن میں عاد، ثمود، قوم لوط، اصحاب مدین، قوم سبا، بنی اسرائیل، نصاریٰ، اصحاب الایکہ،

اصحاب لرس، قوم تبع، صابئین اور مجوسیوں اور ان کے ساتھ پیغمبروں کے جتنے نام آئے ہیں مثلاً آدمؑ، ادریسؑ، نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ، سموئیلؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یونسؑ، الیاسؑ، یوشعؑ، ذوالکفلؑ، عزیرؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ، مریمؑ سے متعلق مستند واقعات فراہم کئے گئے ہیں،

نویں باب میں قرآن میں عقائد، عبادات، ذکر، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، اخلاق، مالیات، اور سیاسیات کی جو تعلیمات دی گئی ہیں، ان کی تفصیل ہے، دسویں باب میں انسان اور اللہ کے تعلقات، انسان اور خود اس کی ذات، انسان اور معاشرہ کے باہمی روابط پر بحث ہو، انسان کو دولت کا مصرف کس طرح لینا چاہئے، مزدوروں کے مسائل کو کس طرح حل کرے، بین الاقوامی معاملات میں اس کا کیا رتبہ ہو، ان تمام مسائل کی وضاحت اچھی طرح کی گئی ہو، گیارہویں باب میں قرآن کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات بیان کئے گئے ہیں،

یہ زیر نظر جلد مصنف کی آیندہ نو جلدوں کا دیباچہ ہو جو تحقیق و مشقت کے ساتھ خاص انداز میں قلمبند ہوا ہو، اس میں دور حاضر کے جدید بے چین ذہن کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہو، بہت ممکن ہو کہ اس ضخیم جلد میں لائق مصنف کی کچھ فروگذاشتوں اور غیر صحیح تعبیروں کی نشاندہی کی جائے، مگر انھوں نے اس کی پوری احتیاط کی ہو کہ اپنے تمام مباحث کے سلسلہ میں انگریزی میں مارماڈیوک پکتھال، علامہ عبد اللہ یوسف علی، مولانا عبد الماجد دریا بادی، اور اردو میں مولانا فتح محمد خاں جالندھری، مولانا احمد رضا خاں، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، پیر محمد کرم شاہ، مفتی محمد شفیع اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تفسیروں کا سہارا لیا ہے، لائق مصنف نے جس محنت و ریاضت سے زیر نظر جلد لکھی ہو، امید کہ ان کی آیندہ جلدوں میں ان کا جوہر اور بھی زیادہ چمکے گا، جس کے بعد وہ اپنے ناظرین کو کہہ سکیں گے،

وہ تشنہ لب بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے طلب صادق نہ ہو تیری تو پھر کیا شکوہ ساقی

امید کہ یہ کتاب یورپ اور امریکہ کے مستشرقین کے محاذ کے خلاف ایک طاقتور کمک کا بھی کام دے گی،

مقالات

قرآن مجید میں قصہ ابراہیمؑ اور مستشرقین کے اعتراضات

از

ضیاء الدین اصلاحی

حضرت ابراہیم علیہ السلام بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل دونوں کے مورث اعلیٰ اور روحانی پیشوا تھے، اس لیے یہود، نصاریٰ اور مسلمان سب ہی انھیں اپنا ہادی، رہنما اور امام تسلیم کرتے ہیں، تورات میں ان کی عظمت و تقدس اور ان کی نسل کی کثرت و برکت کی داستان کئی جگہ دہرائی گئی ہے، ذیل میں کتاب تکوین سے اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

"خداوند نے ابرام کو کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور قرابتیوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک میں جو میں تجھے دکھاؤں گا نکل چل، اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک برکت ہو گا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا اور اس کو جو تجھ پر لعنت کرتا ہے لعنتی کروں گا، اور دنیا کے سارے گھرانے تجھ سے برکت پاویں گے۔"

(پیدائش ۱۲ : ۱ تا ۳)

دوسری جگہ ہے:

"خداوند نے ابرام سے کہا کہ اپنی آنکھ اٹھا اور اس جگہ سے جہاں تو ہے اتر اور دکھن اور پورب اور پچھم دیکھ کیونکہ یہ تمام ملک جو تو اب دیکھتا ہے تجھ کو اور تیری نسل کو ہمیشہ کے لیے دوں گا، اور تیری نسل کو میں زمین کی خاک کے مانند بناؤں گا کہ اگر کوئی آدمی زمین کی خاک کو گن سکے تو تیری نسل بھی گنی جائے گی۔" (پیدائش ۱۳: ۱۴-۱۶)

اسی کتاب میں آگے ایک اور باب میں ہے:

"اور خداوند کے فرشتہ نے آسمان سے دوبارہ ابراہام کو پکارا اور کہا کہ خداوند فرماتا ہے کہ چونکہ تو نے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا، اس لیے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا، اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کی ریت کے مانند کر دوں گا اور تیری اولاد اپنے دشمنوں کے پھاٹک کی مالک ہوگی اور تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی، کیونکہ تو نے میری بات مانی۔" (پیدائش ۲۲: ۱۵-۱۸)

ایک اور جگہ ہے:

"ابرہام تو یقیناً ایک بڑی اور بزرگ قوم ہوگا، اور زمین کی سب قومیں اس سے برکت پائیں گی، کیونکہ میں اس کو جانتا ہوں وہ اپنے بیٹوں اور اپنے بعد اپنے گھرانے کو حکم کرے گا اور وہ خداوند کی راہ کی نگہبانی کر کے عدل و انصاف کریں گے، تاکہ خداوند ابرہام کے واسطہ سے جو کچھ اس نے اس کے حق میں کہا ہے پورا کرے۔" (تکوین باب ۱۸ — ۱۹ و ۲۰)

قرآن مجید میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسلمہ امامت و پیشوائی کا ذکر ان بلیغ لفظوں میں ہوا ہے، فرمایا:

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (بقرہ: ۱۲۴)

خدا نے کہا بیشک میں تمھیں (ابراہیمؑ کو) لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔

نیز فرمایا:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (بقرہ: ۱۳۰)

اور ہم نے اس (ابراہیمؑ) کو برگزیدہ ٹھہرایا دنیا میں، اور وہ آخرت میں نیکوکاروں میں ہوگا۔

ابراہیم کے لفظی معنی قوموں کے باپ کے ہیں، توراۃ میں ان کو ابوالانبیاء (پیغمبروں کے باپ) کہا گیا ہے، اور قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ خدا نے ان کے خاندان کو بڑی برکت و وسعت عطا کی اور نسل ابراہیمی کی ساری شاخیں خوب پھلی پھولیں۔

قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی عظمت و فضیلت کی بنا پر ملت ابراہیمی کے اتباع و اقتدا کی پرزور تاکید اور اس سے سرمو انحراف و تجاوز کی سخت مذمت کی ہے، چنانچہ اسی حیثیت سے اس نے کفار قریش، یہود اور نصاریٰ سب کو دعوت دی کہ تم جن غلط راہوں پر پڑ گئے ہو، ان کو چھوڑ کر حضرت ابراہیمؑ کی بتائی ہوئی شاہراہ پر گامزن ہو جاؤ، ارشاد ربانی ہے:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (بقرہ: ۱۳۵)

اور انھوں نے کہا کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے کہدو (نہیں!) بلکہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو اللہ کی طرف یکسو تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا۔

قرآن مجید صراحت کے ساتھ بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ دونوں نے اپنے آخری وقت میں اپنی اولاد کو اسی ملت ابراہیمی کو اختیار کرنے کی وصیت و تلقین کی تھی:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

(بقرہ : ۱۳۲ و ۱۳۳)

اور ابراہیمؑ نے اسی ملت ابراہیمی (اسلام) کی وصیت اپنے بیٹوں کو کی اور اسی کی وصیت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے دین اسلام کو منتخب فرمایا، تو تم نہ مرنا مگر اسلام کی حالت پر، کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا؟ جب کہ اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے بعد کس کی پرستش کروگے؟ وہ بولے کہ ہم تیرے معبود اور تیرے آباء واجداد ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کے معبود کی پرستش کریں گے جو ایک ہی معبود ہے، اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا ذکر خصوصیت سے اسی بنا پر کیا ہے کہ بنی اسرائیل براہ راست ان ہی کی اولاد تھے، اور جب انھوں نے اپنی اولاد کو یہودیت و نصرانیت کے بجائے ملت ابراہیمی اور توحید و اسلام کی تلقین و وصیت اپنی زندگی کے بالکل آخری لمحہ میں کی تھی تو سمجھ لو کہ تم لوگوں کا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ و یعقوبؑ کو یہودی و نصرانی کہنا صریح زیادتی اور اللہ تعالیٰ پر کھلا ہوا بہتان ہے:

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی ذریت کے لوگ یہودی

وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ (بقرہ : ۱۴۰)

یا نصرانی تھے، پوچھو! تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی کسی شہادت کو جو ان کے پاس ہے چھپائیں۔

قرآن مجید ملت ابراہیمی سے بیزاری اور برگشتگی کو سفاہت اور بے وقوفی قرار دیتا ہے، ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ

(بقرہ : ۱۳۰)

اور بھلا کون ملت ابراہیمی سے بے رغبتی اختیار کرے گا، مگر وہی جو اپنے کو حماقت میں مبتلا کرے۔

اس نے مشرکین عرب، یہود و نصاریٰ سب کو ملامت و تنبیہ کی کہ آخر تم اپنے غلط آراء و اقوال کی سند کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کیوں حوالہ دیتے ہو، وہ یہودی و نصرانی اور مشرک نہ تھے، بلکہ مسلم حنیف تھے، یہودیت و نصرانیت کے شاخسانے تو ان کے بعد نکالے گئے ہیں، پھر ان کی تائید و حمایت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام کیوں لیتے ہو؟ ان کے ساتھ نسبت و قربت کے حقدار تو وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو ان کی ملت کی پیروی کرتے ہیں، توراۃ و انجیل تو حضرت ابراہیمؑ کے صدیوں بعد نازل ہوئی ہیں، پھر انھیں یہودیت یا نصرانیت کا کس طرح علمبردار قرار دیتے ہو؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام ان ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر اور حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے تولد ہوئے تھے، جنھیں اور ان کی والدہ ماجدہ کو انھوں نے مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں لاکر بسایا، اور ان کی نسل کے لیے برکت کی دعا کی، حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی

قبولیت کا یہ اثر ہوا کہ حضرت اسماعیلؑ کی نسل کو خوب فروغ ہوا، مگر بنی اسرائیل کو اپنے عم زاد بھائیوں سے ہمیشہ رشک وحسد رہا، اس لیے ان کی عزت، عظمت، فضیلت، برتری، سیادت اور وسعت وکثرت برابر ان کی نگاہ میں کھٹکتی رہی، پیغمبر آخر الزماں کی بعثت گو صحف یہود کی عین پیشین گوئیوں کے مطابق ہوئی تھی اور یہود کو آپؐ کی بعثت کا انتظار بھی تھا، مگر جب آپؐ تشریف لائے تو انھوں نے آپؐ کی تکذیب کردی۔

دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت محمدیہ کہ بنی اسرائیل کی دینی ودنیاوی سیادت ووجاہت اور سیاسی قوت واقتدار کے خاتمہ کی تمہید واعلان تھی، چنانچہ آپؐ کے بعد ان سے ہر قسم کا اعزاز چھین لیا گیا اور بنی اسماعیل کو امامت کا منصب جلیل سپرد کردیا گیا، اسی لیے بنی اسرائیل کو ان سے اور مسلمانوں سے شدید نفرت وبیزاری ہوگئی اور انھوں نے ان کی عزت وعظمت کو خاک میں ملانے کا منصوبہ بنایا، حضرت اسماعیلؑ کے حسب ونسب پر رکیک اعتراضات، ان کے بجائے حضرت اسحٰقؑ کو ذبیح ثابت کرنے کی کوشش، خانۂ کعبہ کے بجائے بیت المقدس کو ملت ابراہیمی کا قبلہ قرار دینا، حج وقربانی کی مختلف یادگاروں کو مٹانا، یہاں تک کہ خود حضرت ابراہیمؑ کو یہودیت ونصرانیت کا علمبردار سمجھنا اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، قرآن مجید میں ان کی اس طرح کی تحریف وتلبیس کا متعدد جگہ ذکر ہوا ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

اس تمہید سے یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اسماعیلی نسل، عربوں اور مسلمانوں کے معاملہ میں اہل کتاب کا رویہ شروع ہی سے معاندانہ رہا ہے، اب بعض مستشرقین بھی ان ہی کے نقش قدم پر گامزن ہوکر حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اسماعیلی نسل اور مسلمانوں کے معاملہ میں اسی طرح کی بے سروپا باتیں کررہے ہیں جو ان کے پیش رووں نے کی تھیں، ان کی اس کوشش کا مقصد حضرت اسماعیلؑ، ان کی نسل، عربوں اور مسلمانوں نیز خانۂ کعبہ کا حضرت ابراہیمؑ سے

رشتہ وتعلق منقطع کردینا ہے، چنانچہ اسپرنگر لکھتے ہیں:

"حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کا تذکرہ قرآن مجید میں جس طور پر کیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف مراحل سے گذرتی ہوئی آخر میں اس نے مؤسس کعبہ کی حیثیت اختیار کرلی ہے[1]"

سنوک نے اسپرنگر کے اس دعویٰ کو مزید شرح وبسط کے ساتھ اس طرح پیش کیا ہے:

"قدیم اور ابتدائی وحی یعنی مکی سورتوں مثلاً ذاریات، حجر، صافات، انعام، ہود، مریم، انبیاء اور عنکبوت وغیرہ میں حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عام پیغمبروں کی طرح ایک رسول تھے، جو اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے بھیجے گئے تھے، ان سورتوں میں حضرت اسماعیلؑ وحضرت ابراہیمؑ کے درمیان کسی رشتہ کی کوئی صراحت نہیں کی گئی ہے بلکہ ان سے تو پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ نے کسی پیغمبر کو عربوں کے اندر مبعوث ہی نہیں کیا تھا، چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا	اور ہم نے نہیں دیں ان کو کچھ کتابیں
وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ	جن کو وہ پڑھتے ہوں، اور نہیں بھیجا
نَّذِيْرٍ۔ (سبا: ۴۴)	ان کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ	تاکہ تو ڈرائے ایک ایسی قوم کو جن کے
فَهُمْ غٰفِلُوْنَ۔ (یٰس: ۶)	آبا کو نہیں ڈرایا گیا تھا، سو وہ غافل ہیں۔

[1] حیات محمد ج ۲ ص ۲۷۶ بحوالہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱ ص ۲۷۔ ترجمہ عربی انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ مصر ۱۹۳۳ء

یہی وجہ ہے کہ ان سورتوں کے اندر اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ خانۂ کعبہ کے بانی اور اول المسلمین تھے، لیکن مدنی سورتوں میں معاملہ اس کے برعکس ہو گیا ہے، چنانچہ ان میں حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کے بعض ایسے گوشے اور پہلو نظر آتے ہیں جن کا مکی سورتوں میں کوئی وجود نہ تھا، مثلاً ان میں ان کو مسلم حنیف کہا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ملت ابراہیمی کے داعی و بانی تھے، اور انھوں نے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی، اس مفہوم کی آیتیں مدنی سورتوں میں بکثرت ہیں، مثلاً سورۂ بقرہ میں فرمایا:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ (بقرہ: ۱۲۷)

اور جب ابراہیم و اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے۔

اس اختلاف و تضاد کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی دور میں یہودیوں پر مکمل اعتماد تھا، لیکن جب آپؐ نے مدینہ منورہ میں انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے ضد و عناد کی راہ اختیار کی اور وہ آپؐ کی عداوت و مخالفت پر کمربستہ ہو گئے، اس صورت حال کے نتیجہ میں رسول اللہ صلعم کو اب ان کی جگہ دوسرے مددگاروں کی تلاش ہوئی، اس موقع پر آپؐ نے اپنی ذہانت اور اصابت فکر دونوں سے کام لے کر عربوں کے سامنے ان کے ابو الآباء حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کا ایک نیا رخ پیش کیا، تاکہ اس طرح آپؐ اپنے زمانہ کی یہودیت سے دامن کش ہو کر ایک ایسے دین کو پیش کر سکیں جس کا تعلق یہودیت ابراہیمؑ سے جوڑ دینا ممکن ہو، چنانچہ جب تمام مکہ آپؐ کی دعوت کے سامنے سرنگوں ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے معمار کی حیثیت اختیار کر لی[1]۔

اس اعتراض میں قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہدف طعن بنایا گیا ہے،

---

[1] دیکھو دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱، ص ۲۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۳ء۔

اور اس کے اندر متعدد بے سر و پا باتیں بھی آگئی ہیں، لیکن ہماری گفتگو ان ہی امور تک محدود رہے گی جن کا تعلق حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ اور بنی اسماعیلؑ سے ہے، ہم نے دوسری کتابوں کے علاوہ عبد الوہاب نجار کی قصص الانبیاء سے زیادہ مدد لی ہے،

اس اعتراض کا خاص منشا یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے نہ عربوں اور مسلمانوں کا کوئی نسلی و نسبی تعلق تھا اور نہ ان سے ان کا کوئی دینی و مذہبی رشتہ تھا، اس لیے مسلمانوں کا انھیں اپنا روحانی و مذہبی پیشوا ماننا اور عربوں کا انھیں اپنا خاندانی مورث اعلیٰ تسلیم کرنا غلط ہے، کیونکہ آنحضرتؐ کی مکی زندگی میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی ملت سے آپؐ اور آپؐ کے دین کے تعلق کی کوئی صراحت قرآن مجید میں موجود نہیں ہے، اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے خانۂ کعبہ کے بانی اور معمار ہونے اور خود کعبہ کی مرکزیت و اہمیت کا بھی مکی آیتوں میں کوئی ثبوت موجود نہیں ہے، البتہ رسول اکرم صلعم کو حضرت ابراہیمؑ سے نسبی و مذہبی تعلق قائم کرنے کا خیال مدنی زندگی میں اس لیے ہوا کہ یہود نے آپ کی شدید مخالفت شروع کر دی تھی۔

دونوں فاضل مستشرقین نے اصل اور بنیادی غلط فہمی یہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم مکی دور میں یہود پر کلی اعتماد کرتے تھے، حالانکہ یہ سرے سے غلط ہے، اگر اس میں کچھ حقیقت ہے تو وہ صرف اس قدر ہے کہ آپؐ مکی اور مدنی دور میں بھی ان امور کے بارہ میں جن کے متعلق آپؐ کو کوئی وحی نہیں کی گئی تھی یہود کی شریعت کے مطابق اس بنا پر عمل کرتے تھے کہ وہ اہل کتاب تھے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے امور کے بارہ میں ان ہی کی شریعت پر عمل کرنے کی آپ کو ہدایت کی تھی، چنانچہ جب تک آپؐ کو خانۂ کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا تھا اس وقت تک آپ بیت المقدس کی جانب ہی رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، کیونکہ اولاً تو یہی یہود کا قبلہ تھا، ثانیاً خود مسلمانوں کے نزدیک بھی اس کی اہمیت اور تقدس پوری طرح مسلم تھا، لیکن

اس قسم کی چند مثالوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکی دور میں یہود پر بکلی اعتماد کرتے تھے، مسلمانوں کے بدترین مخالف بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت و تبلیغ میں یہود کا سہارا لیا ہو، یا ان پر کسی قسم کا اعتماد کیا ہو، بلکہ واقعات تو اس کے برعکس یہ ثابت کرتے ہیں کہ مکی دور میں مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود سے کوئی خاص واسطہ ہی نہ تھا، ان سے جو کچھ سابقہ پیش آیا وہ مدنی دور میں آیا، اسی زمانہ میں آپ نے ان سے اخوت اور دوستی کا معاہدہ بھی کیا، تاکہ ان کی جانب سے مطمئن ہو کر مشرکین مکہ کے حملے کا مقابلہ کر سکیں لیکن جب یہود نے معاہدہ کا پاس و لحاظ نہیں رکھا اور وہ درپردہ اور کھلم کھلا آپ کی مخالفت کرنے لگے بلکہ مشرکین سے ساز باز کر کے ان کی مدد بھی کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی جانب سے چوکنا ہو گئے،

رہی مکی زندگی تو اس میں یہود سے موالات اور ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی طرح کے اعتماد کرنے کی کوئی مثال نہیں ملتی، اور مدنی دور کے موالات کا جو انجام ہوا وہ ظاہر ہے، اور اسی کے نتیجہ میں قرآن نے یہود کی اس مستقل جبلی صفت اور طبعی خصوصیت کی اس طرح نشاندہی کی ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا۔ (مائدہ: ۸۲)

تم اہل ایمان کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔

یہی نہیں بلکہ عربوں کو بھی یہود پر کبھی کوئی اعتماد و اعتبار نہیں رہا، بلکہ ان کی تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آپ کی بعثت سے قبل بھی یہود کی قربت، تعلق، ہم نشینی، مجالست اور مجاورت کو ناپسند کرتے تھے اور انھیں عرب کی سرزمین سے نکالنے اور جلاوطن کرنے کے لیے

ان سے برابر لڑتے بھڑتے رہتے تھے، قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان معرکۂ جنگ و جدال برپا رہتا تھا، اس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یہود آپ کی آمد کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے، تاکہ آپ کے ذریعہ مشرکین پر فتح و غلبہ حاصل کر سکیں:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ (بقرہ: ۸۹)

اور جب آئی ان کے پاس ایک کتاب اللہ کے یہاں سے ٹھیک ان پیشین گوئیوں کے مطابق جو ان کے یہاں موجود ہیں اور وہ پہلے سے کافروں کے مقابلہ میں فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے تو جب آئی ان کے پاس وہ چیز جس کو وہ جانتے پہچانتے تھے تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، بس ان منکروں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن جریر نے ابو العالیہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

كانت اليهود تستفتح بمحمد صلى الله عليه وسلم على كفار العرب من قبل وقالوا اللهم ابعث هذا النبي الذي نجده في التوراة يعذبهم ويقتلهم فلما بعث الله محمدا صلى الله عليه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود آپ کے ذریعہ کفار عرب پر فتح پانے کے آرزومند تھے، اور کہتے تھے اے اللہ اس نبی کو مبعوث کر جس کا ذکر ہم کو توراۃ میں ملتا ہے، تاکہ وہ انھیں عذاب دے اور قتل کرے مگر جب اللہ نے

فرأوا انه يبعث من غيرهم كفروا به حسداً للعرب وهم يعلمون انه رسول الله صلى الله عليه وسلم يجدونه مكتوباً عندهم في التوراة فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به.

(تفسیر ابن جریر طبری ج ۱، ص ۳۱۰)

محمدؐ کو مبعوث کیا تو انھوں نے یہ سمجھ کر کہ اس نبی کی بعثت ان کے اندر سے نہیں ہوئی، نیز عربوں پر رشک و حسد کی وجہ سے اس کا انکار کر دیا، حالانکہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ خدا کے رسول ہیں اور توراۃ میں ان کا ذکر بھی موجود ہے، چنانچہ جب آپؐ تشریف لائے تو انھوں نے آپؐ کا انکار کر دیا۔

مصر کے مشہور عالم محمد فرید وجدی لکھتے ہیں:

"حضرت ابراہیمؑ سے تعلق قائم کرنے کا خیال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کے بجائے مکہ معظمہ ہی میں ہونا چاہیے تھا، کیونکہ وہاں کا ہر ہر قبیلہ حضرت ابراہیمؑ سے اپنا انتساب کرتا تھا، اس کے برخلاف مدینہ کے اکثر قبائل یمنی تھے، جو حضرت ابراہیمؑ سے اپنا رشتہ ناطہ نہیں جوڑتے تھے"

(حاشیہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ص ۲۹)

سنوک نے اسی ضمن میں ایک نہایت لغو اور بے بنیاد بات یہ بھی کہی ہے کہ آپؐ نے اپنے زمانہ کی یہودیت کو رد کر کے ایک نئی یہودیت کی داغ بیل ڈالی اور اسے حضرت ابراہیمؑ کی جانب منسوب کر دیا، حالانکہ جب یہودیت کا تمامتر تعلق حضرت یعقوبؑ سے ہے اور یہود اپنے دین کو حضرت ابراہیمؑ کے بجائے ان ہی کی جانب منسوب کرتے تھے، اسی لیے وہ اپنے کو بنی اسرائیل کہلانا پسند کرتے تھے تو رائج یہودیت کا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے کس طرح ہو سکتا ہے، اور حضرت ابراہیمؑ کو یہودی کہنا کس قدر مضحکہ خیز بات ہے، حضرت یعقوبؑ تو ان کے پوتے تھے، ایسی صورت میں

حضرت ابراہیمؑ کا دین اپنے پوتے کے دین کے تابع کس طرح ہو سکتا ہے، اسی لیے قرآن مجید نے نہایت صراحت کے ساتھ کہا ہے:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

(آل عمران: ۶۷)

ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے، نہ نصرانی، بلکہ حنیف مسلم تھے، اور وہ مشرکین میں سے بھی نہ تھے۔

یہودیت و نصرانیت دونوں حضرت ابراہیمؑ کے بعد کی پیداوار ہیں:

لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنجِيلُ إِلَّا مِن بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ.

(آل عمران: ۶۵)

(اے اہل کتاب!) تم ابراہیمؑ کے بارہ میں کیوں حجت کرتے ہو، دراں حالیکہ توراۃ اور انجیل اس کے بعد نازل کی گئی ہیں کیا تم لوگ (اس بات کو) نہیں سمجھتے۔

درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اور کسی دور میں بھی یہودیت سے تعلق قائم کرنے کا خیال سرے سے نہیں ہوا، کیونکہ قرآن مجید کا نقطۂ نظر تو یہ ہے کہ اسلام قدیم دین ہے، اس کی دعوت حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہ تمام نبیوں نے دی تھی، اور اسی کی دعوت دینے کے لیے آنحضورؐ بھی تشریف لائے تھے، فرمایا:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ

(الشوریٰ: ۱۳)

(اللہ نے) تمہارے لیے اسی دین (اسلام) کو مقرر کیا جس کی وصیت نوحؑ کو کی تھی اور جس کی ہم نے تیری طرف وحی کی ہے، اور جس کی ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو وصیت کی تھی کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا

بھلا ایسی صورت میں آپؐ اسلام کو چھوڑ کر یہودیت سے کیوں وابستہ ہوتے۔

حضرت ابراہیمؑ چونکہ بنی اسرائیل و بنی اسماعیل کے مسلمہ خاندانی و روحانی پیشوا تھے اس لیے یہود، نصاریٰ اور مشرکین تینوں ہی اپنی اپنی تائید کے لیے ان کے نام کو استعمال کرتے تھے، اور ان میں سے ہر ایک ان کو اپنے طریقہ پر بتاتا تھا، اور کہتا تھا کہ اصل دین ابراہیمی کا حامل وہی ہے اور محمدؐ اس کے اصلی دین سے ہٹا کر گمراہ کرنا چاہتے ہیں، قرآن مجید کا مقصد ان کے اسی غلط اور گمراہ پروپیگنڈے کی تردید ہے کہ توراۃ وانجیل تو حضرت ابراہیمؑ کے صدیوں بعد نازل ہوئی ہیں پھر وہ یہودی یا نصرانی کس طرح ہوئے، یہ تو سراسر حماقت اور بے وقوفی کی بات ہے کہ یہودیت و نصرانیت کو ان کی جانب منسوب کیا جائے، حالانکہ وہ ان کے بہت بعد کی وضع و ایجاد ہیں، در اصل ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی و نصرانی تھے اور نہ مشرک تھے، بلکہ مسلم حنیف تھے،

۲) یہ اعتراض کہ قرآن مجید کی مکی و مدنی سورتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت اور تصویر یکساں نہیں ہے، کیونکہ مکی دور میں ان کی حیثیت عام رسولوں جیسی بیان کی گئی ہے اور مدنی دور میں ان کو دین حنیفی کا داعی اور خانہ کعبہ کا بانی وموسس بتایا گیا ہے، تو مندرجۂ ذیل تجزیہ کے بعد اس کا لغو و بے بنیاد ہونا اچھی طرح ظاہر ہو جائے گا۔

قرآن مجید کی مکی و مدنی سورتوں کے اسلوب و طرز بیان میں اس اعتبار سے ضرور فرق ہے کہ مکی سورتوں میں عموماً اجمال و اختصار ہوتا ہے اور مدنی سورتوں میں بسط و تفصیل سے کام لیا گیا ہے مکی سورتوں میں بنیادی عقائد اور مسلمات بیان کیے گئے ہیں اور اسی حیثیت سے استدلال کا پیرایہ بھی اختیار کیا گیا ہے، اس کے برعکس مدنی سورتوں میں احکام، فروع اور جزئیات کا بھی ذکر ہے، جن کے دلائل کا طریقہ و انداز بھی جداگانہ ہے، مکی دور میں اصل مخاطب کفار قریش تھے

اور مدنی دور میں یہود و نصاریٰ سے بھی خطاب ہے، قرآن مجید کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت موقع و محل، اقتضائے حال اور مخاطب کے ذوق و مزاج کی رعایت بھی ہے، اس لیے اس کی ہر سورہ میں اس کے موضوع اور موقع کے لحاظ سے بھی فرق ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگذشت کے مختلف حصے مختلف سورتوں میں بیان کیے گئے ہیں اور ہر جگہ موقع و محل، اقتضائے حال اور موضوع سورہ کے لحاظ سے اس میں کچھ حذف و اضافہ اور فرق ہے، یہ قرآن کا عام اور معروف اسلوب ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف جگہ بیان کرتا ہے مگر ہر جگہ اس کی نوعیت بدلی ہوئی ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے جس جگہ اس کا جس قدر حصہ بیان کرنا ضروری اور موزوں ہوتا ہے اسی کو وہاں بیان کرتا ہے اور باقی اجزاء کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے، تاکہ خواہ مخواہ کا اطناب و طول بیان نہ ہو اور مخاطب فضول اور بے موقع باتوں میں الجھ جانے کی وجہ سے اصل مقصد ہی سے غافل ہو جائے، حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاءؑ کے واقعات و قصص میں اسی اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے، جس کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ظاہر بین لوگوں کو ان میں فرق و اختلاف دکھائی دیتا ہے۔

قرآن مجید کے اس اسلوب کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے ان مستشرقین کو یہ خیال ہوگیا، یا انھوں نے خواہ مخواہ کے لیے یہ غلط فہمی پیدا کی کہ مدنی سورتوں میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کے جو جلوے نظر آتے ہیں ان کا مکی سورتوں میں وجود نہیں۔

یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ مکی سورتوں میں نہ حضرت ابراہیمؑ کے خانہ کعبہ اور حضرت اسماعیلؑ سے تعلق کی کوئی صراحت کی گئی ہے اور نہ انھیں ملت ابراہیمی کا داعی اور مسلم حنیف وغیرہ کہا گیا ہے، قرآن مجید کی ایک سورہ تو خاص ان ہی کے نام سے موسوم ہے اور یہ مکی ہے، مگر ان فاضل مستشرقین نے سورۂ ابراہیم کا نام ہی اپنی فہرست میں درج نہیں کیا ہے، اس میں حضرت ابراہیمؑ کی ایک دعا کا

ذکر ہے۔ اس سے ان کی شخصیت کے مندرجہ ذیل پہلو سامنے آتے ہیں:

(۱) حضرت ابراہیمؑ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ مکہ کی سرزمین کو گہوارۂ امن بنا:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا۔ (ابراہیم: ۳۵)

خداوندا تو اس شہر کو پُر امن بنا۔

(۲) وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی درخواست کرتے ہیں کہ انھیں اور ان کی اولاد کو شرک و بت پرستی سے محفوظ رکھے:

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم: ۳۵)

(خداوندا!) تو مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا۔

(۳) حضرت ابراہیم خدا کے مقدس گھر کے پاس بے آب و گیاہ سرزمین میں اللہ واحد کی عبادت، نماز، نذر و قربانی اور طواف و حج کی ادائیگی کے لیے اپنی اولاد حضرت اسماعیلؑ کو بسانے کا اعتراف کرتے ہیں، اور ان کی رزق رسانی کے لیے اللہ سے دعا و التجا کرتے ہیں:

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ (ابراہیم: ۳۷)

خداوندا! میں نے اپنی اولاد میں سے بعض (اسماعیلؑ اور ان کی ذریت) کو اس بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے، اے ہمارے خداوند اس لیے کہ یہ نماز قائم کریں، پس تو لوگوں کے دل ان کی جانب مائل کر دے (یعنی لوگ ان کے پاس تیرے گھر کی زیارت کے لیے آئیں) اور انھیں پھلوں میں سے رزق دے، تاکہ

وہ شکر گذار ہوں۔ (ابراہیم: ۳۷)

(۴) حضرت ابراہیمؑ اس امر پر خداوند قدوس کی شکر گذاری کرتے ہیں کہ اس نے ان کے دینی مشن اور ملت ابراہیمی کی تکمیل کے لیے ان کو بڑھاپے میں دو بیٹے اسماعیل و اسحاق عطا کیے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ۔ (ابراہیم: ۳۹)

سارا شکر اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق کو بخشا، بے شک میرا خداوند پکار سننے والا ہے۔

(۵) وہ خدا سے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ملت حنیفی کے خاص شعار نماز کو قائم کرنے کی توفیق طلب کرتے ہیں جس کو یہود نے سرے سے ضائع کر دیا تھا، اور نصاریٰ نے اس کی حقیقت و روح مسخ کر ڈالی تھی:

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ۔ (ابراہیم: ۴۰)

خداوندا! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا، خداوندا! اور تو میری دعا قبول کر لے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مکی سورتوں میں بھی حضرت ابراہیمؑ کے خانہ کعبہ اور حضرت اسماعیلؑ سے تعلق کی صراحت موجود ہے اور مکی سورتوں کے ضمن میں سورۂ ابراہیم کا ذکر نہ کرنا ایک بڑی اور بدترین علمی خیانت ہے۔

اسی طرح یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے حنیف ہونے کا ذکر صرف مدنی سورتوں میں ہے، کیونکہ سورۂ نحل مکی ہے، اس میں ان کے متعلق فرمایا:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

بے شک ابراہیم پیشوا، خدا کا فرماں بردار اور موحد تھا، اور وہ مشرکوں میں سے

(نحل : ۱۲۱) نہ تھا۔

اسی مکی سورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو حضرت ابراہیمؑ کی ملت کے اتباع کی اس طرح تلقین کی گئی ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (نحل : ۱۲۳)

پھر ہم نے تمھاری طرف وحی کی کہ ابراہیمؑ کی ملت پر چلو، جو ایک طرف کا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔

ان مستشرقین کی فہرست میں سورۂ انعام کا ذکر بھی ہے، جو مکی ہے، حالانکہ اس میں بھی ان کے حنیف اور شرک سے بیزار ہونے کی تصریح موجود ہے، فرمایا:

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (انعام : ۷۹)

بے شک میں نے اپنا رخ بالکل یکسو ہو کر اسی کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اسی سورہ کی ایک اور آیت ملاحظہ ہو:

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا. (انعام : ۱۶۱)

کہدو! میرے رب نے میری رہنمائی کی ایک سیدھے رستہ کی طرف، دین قیم، ابراہیمؑ کی ملت کی طرف جو یکسو تھے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ قرآن مجید کی مکی و مدنی سورتوں کے اسلوب اور انداز بیان کا فرق اقتضائے حال اور مخاطب کی رعایت کا نتیجہ ہے، اور مکی سورتوں میں بھی حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اور شخصیت کے ایسے گوشے نظر آتے ہیں جن کو مستشرقین نے مدنی سورتوں کا خاصہ بتایا ہے۔

ان مستشرقین نے مسلمانوں اور عربوں، نیز حضرت اسماعیلؑ کے حضرت ابراہیمؑ سے رشتہ

تعلق کی نفی بھی کی ہے، حالانکہ یہ مسئلہ اس قدر واضح ہے کہ اس کے لیے کوئی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اور اس کا ثبوت خالی قرآن مجید اور عربوں کے بیان ہی سے نہیں ملتا، بلکہ تورات میں بھی اس کی صراحت موجود ہے کہ حضرت اسماعیلؑ جو عربوں کے باپ ہیں حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے ہیں، انھوں نے اپنے لخت جگر حضرت اسماعیلؑ اور ان کی ماں حضرت ہاجرہؑ کو بکہ (مکہ) میں آباد کیا، اس طرح اسماعیلی عربوں کی نشو و نما ہوئی اور وہ حجاز کی سرزمین میں آباد ہوئے، توراۃ کے باب پیدائش میں جا بجا اس سلسلہ کی تفصیلات موجود ہیں مثلاً اٹھارہویں باب میں ہے کہ حضرت ہاجرہ کو جب حمل ہوا تو حضرت سارہؑ کو جو اس وقت تک بے اولاد تھیں رشک و حسد ہوا اور وہ ہاجرہ کو ستانے لگیں، ہاجرہؑ نے آزردہ ہو کر گھر چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، اور ایک چشمہ پر جو شور کی راہ میں واقع ہے آکر ٹھہر گئیں، اس وقت خدا کے فرشتہ نے ان سے کہا:

"ہاجرہ اپنی بی بی[1] کے گھر واپس جا، میں تیری نسل کو اتنا بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی"

(تکوین، باب ۱۸)

حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسماعیلؑ سے جو تعلق اور غیر معمولی محبت تھی اس کا بھی توراۃ سے پتہ چلتا ہے، اس کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جب حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی بشارت دی گئی تو اس سے ان کو کوئی خاص مسرت نہیں ہوئی، بلکہ انھوں نے یہ فرمایا کہ:

"اے کاش اسماعیل تیرے حضور زندہ رہے۔" (تکوین ۱۸ - ۱۸)

اس پر خداوند نے فرمایا:

---

[1] یہ ترجمہ توراۃ کے مترجمین کا ہے، کیونکہ بنی اسرائیل حضرت ہاجرہؑ کو حضرت سارہؑ کی لونڈی کہتے ہیں اسی لیے وہ اپنے کو بنی اسماعیل سے افضل سمجھتے ہیں، یہاں اس کی تردید کا موقع نہیں، مولانا عنایت رسول چریاکوٹی نے اس موضوع پر ایک رسالہ النصوص الباھرۃ فی حریۃ ھاجرۃ لکھا تھا۔

"اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ[۱۲] سردار پیدا ہوں گے، اور میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔"

آگے اس کا ذکر ہے کہ حضرت سارہؑ نے اس ڈر سے کہ حضرت اسماعیلؑ باپ کی وراثت میں شریک ہو جائیں گے حضرت ابراہیمؑ کو انھیں اور ان کی ماں حضرت ہاجرہؑ کو علٰحدہ کر دینے کے لیے مجبور کیا، اس پر حضرت ابراہیمؑ رنجیدہ ہوئے تو خداوند نے کہا:

"ابراہیم غم نہ کر، سارہ کی بات مان لے، تیری نسل اسحاقؑ سے کہی جائے گی، تیرے بیٹے (خادمہ زاد) حضرت اسماعیلؑ کو بھی میں ایک قوم بناؤں گا، کہ یہ بھی تیری ہی نسل ہے۔"

(تکوین: ۲۱ - ۱۳)

اس کے بعد ان کی روانگی اور ماں بیٹے کو عرب میں بسانے کا ذکر اس طرح ہے:

"ابراہیم صبح کو اٹھا اور روٹی لی اور پانی کا مشکیزہ ہاجرہ کو دیا...... وہ روانہ ہوئی، اور بئر سبع کے میدان میں بھٹکتی رہی، مشکیزہ کا پانی چک گیا، بچہ کو ایک جھاڑی میں ڈال دیا، اور بچہ سے تھوڑی دور ایک شبر کے برابر ہٹ کر غمزدہ بیٹھ گئی اور اس نے کہا کہ بچے کو اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھوں گی اور الگ ہٹ کر گریہ وزاری کرنے لگی، خدا نے بچہ کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکار کر کہا: ہاجرہ! ڈر نہیں، خدا نے بچہ کی آواز جہاں وہ پڑا ہے سن لی، اٹھ اور بچے کو اٹھا، اور اپنے ہاتھ سے اس کو سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، خدا نے ہاجرہ کی آنکھ کھول دی، اس کو پانی کا ایک کنواں نظر آیا، وہ گئی اور مشکیزہ کو پانی سے بھر لیا اور بچہ کو پانی پلایا، خدا اس بچے کے ساتھ تھا، وہ بڑا ہوا، بیابان میں رہا اور ایک تیرانداز ہوا، وہ فاران کے بیابان میں رہا، اس کی ماں نے ملک مصر کی ایک بیوی

اس کے لیے لی۔" (تکوین: ۲۱)

توراۃ کی ان واضح تصریحات کے بعد کون حضرت اسماعیلؑ کے حضرت ابراہیمؑ سے نسبی تعلق اور نسلی رشتہ کی نفی کی جرأت کر سکتا ہے، البتہ قرآن اور توراۃ کے مندرجہ بالا آخری بیان میں ایک نمایاں تضاد یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ سے حضرت ابراہیمؑ کی غیر معمولی شفقت و محبت کا ثبوت خود توراۃ ہی کے حوالہ سے اوپر نقل کیا گیا ہے، مگر اس بیان میں وہ ایک ایسے قسی القلب باپ نظر آتے ہیں، جو شفقتِ پدری سے بالکل ہی خالی ہے، چنانچہ وہ اپنے بیٹے اور بیوی کو چند روٹیاں اور مشکیزہ دے کر گھر سے باہر نکال دیتے ہیں، اور فاران کے بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ دیتے ہیں اور پھر کبھی خود اس کا خیال ہی دل میں نہیں لاتے اور نہ اس کے پاس جاتے ہیں، جبکہ قرآن کی یہ واضح تصریح ہے کہ وہ خود بھی مکہ تشریف لے گئے تھے اور انھوں نے ہی وہاں ماں اور بیٹے کو خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے بسایا تھا، لیکن یہاں اس اختلاف پر بحث و گفتگو کی گنجائش نہیں، ہمارا مقصد تو صرف یہ دکھانا تھا کہ قرآن اور توراۃ دونوں سے قطعی طور پر حضرت اسماعیلؑ کا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونا اور مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں سکونت پذیر ہونا اور حضرت اسماعیلؑ کا خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف ہو جانا ثابت ہے۔

شروع ہی میں یہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی نسل کی کثرت و برکت کا ثبوت قرآن مجید اور توراۃ دونوں ہی سے پوری طرح عیاں ہے، یہاں یہ واضح کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ اس کثرت و برکت کا ظہور بنی اسحاق کے مقابلہ میں بنی اسماعیل میں زیادہ ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے:

"خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی ذات کو خیر و برکت کا سرچشمہ بنایا تھا، وہ حضرت نوحؑ کے بعد تمام آسمانی برکتوں کے وارث ہوئے، ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ (آل عمران : ۳۳)

بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو اہل عالم کی رہنمائی کے لیے منتخب فرمایا۔

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ لکھتے ہیں:

"آل عمران بھی ذریت ابراہیمؑ میں شامل ہے، اس لیے خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے لیے گویا تمام عالم میں صرف آل ابراہیمؑ کا انتخاب ہوا، پھر حضرت ابراہیمؑ کے واسطہ سے تمام اہل زمین کو برکت دینے کا وعدہ کیا گیا۔" (تفسیر سورۂ کوثر)

توراۃ کی کتاب تکوین کے جو حوالے نقل کیے گئے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے برکت کا جو وعدہ کیا تھا، وہ ان کی ذریت کے واسطہ سے پورا ہوگا، گو یہ برکت حضرت اسحاقؑ کی ذریت سے بھی پھیلی لیکن اس کا اصلی سبب حضرت اسماعیلؑ اور ان کی ذریت ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اسی کا نتیجہ ہے، کیونکہ آپؐ اس سرزمین میں مبعوث کیے گئے تھے جو تمام برکتوں کا سرچشمہ تھی اور اللہ نے آپؐ کو اس سرزمین اور دینِ ابراہیمی کا وارث بنایا تھا، آپؐ کی بعثت سے تمام روئے زمین کے لیے عام برکت کا وعدہ پورا ہوا کیونکہ آپؐ کی رسالت تمام عالم کے لیے ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ (سبا: ۲۸)

ہم نے تم کو نہیں بھیجا، مگر تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر۔

نیز آپؐ ساری دنیا کے لیے رحمت تھے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (انبیاء : ۱۰۷)

اور ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر۔

اوپر اسفار یہود کے حوالہ سے یہ بھی گذر چکا ہے کہ بنی اسماعیلؑ و بنی اسحاقؑ کی علیحدگی اس وجہ سے ہوئی تھی کہ جب اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے اولاد بخشی تو حضرت سارہؑ کو رشک ہوا، اور انھوں نے حضرت ہاجرہؑ کے ساتھ بدسلوکی کی، جسے حضرت ہاجرہؑ نے نہایت صبر کے ساتھ انگیز کیا، اس کے صلہ میں اللہ نے ان کو بڑی برکت دی، حضرت سارہؑ تحقیر کی وجہ سے انھیں لونڈی کہتی تھیں اور بنی اسحاق بنی اسماعیل کو کنیز زادے کہتے تھے، حالانکہ یہ بالکل خلاف حقیقت ہے، اور عملاً یہ ہوا کہ حضرت سارہؑ کی اولاد اسماعیلیوں کے ہاتھ مصر میں فروخت ہوئی، پھر ایرانیوں، مصریوں اور رومیوں نے ان کو گرفتار کیا اور غلام بنایا، اس کے برخلاف حضرت ہاجرہؑ کی اولاد اپنی پوری تاریخ میں کبھی غلامی کی ذلت سے آشنا نہیں ہوئی۔

بنی اسماعیل کی ان خصوصیات و امتیازات سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں بنی اسحاق پر ہر حیثیت سے فوقیت و برتری حاصل ہے، اور قرآن مجید اور توراۃ دونوں سے حضرت ابراہیمؑ سے ان کا رشتہ و تعلق نہایت قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کی مکی سورتوں کے اندر نہ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کے رشتہ کی صراحت کی گئی ہے اور نہ ان کے خانہ کعبہ کے معمار ہونے کا ذکر ہے تو توراۃ کی ان صراحتوں اور شہادتوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔

فاضل مستشرقین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ عرب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی نہیں گذرا، اس سلسلہ میں انھوں نے جو آیتیں نقل کی ہیں ان کے مفہوم اور اسلوب کو سمجھنے میں یا تو انھیں دھوکہ ہوا ہے یا انھوں نے دیدہ و دانستہ یہ شوشہ چھوڑا ہے، ورنہ حضرت اسماعیلؑ و حضرت محمدؐ کے علاوہ حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ کا تعلق بھی تو اسی سرزمین سے تھا جن کا خود قرآن نے بھی مفصل تذکرہ کیا ہے،

بنگال کی ایک قدیم فارسی فرہنگ

از۔ ڈاکٹر کلیم سہسرامی، پروفیسر شعبہ السنہ، راج شاہی یونیورسٹی راج شاہی بنگلہ دیش

لغت نگاری کا فن جتنا مشکل ہے اتنا ہی صبر آزما بھی ہے۔ لغت کی تدوین کے لیے زبان و بیان پر مکمل گرفت کے ساتھ ساتھ وسیع علم اور زبان دانی سے پوری واقفیت ضروری ہے ورنہ لغت نگار علمی اور تحقیقی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ برصغیر میں فارسی کی جو فرہنگیں لکھی گئی ہیں ان میں فخر الدین مبارک غزنوی قواس کے "فرہنگ نامہ" کو اولیت حاصل ہے جو علاء الدین خلجی کے عہد (۶۹۵-۷۱۵/۱۲۹۶-۱۳۱۶) میں ترتیب دیا گیا، اور عام طور پر "فرہنگ قواس" کے نام سے مشہور ہے، دوسری قدیم فرہنگ "دستور الافاضل" ہے جسے مولانا رفیع نے جو حاجب خیرات کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں ۷۴۳ھ میں مرتب کیا اسی طرح قاضی بدر الدین محمد کی "ادات الفضلا" مرتبہ (۸۲۲ھ) اور ملا رشید کی "زفان گویا" مرتبہ (۸۳۰ھ) اور مولانا فضل الدین محمد کی "بحر الافاضل" مرتبہ (۸۳۷ھ) ایسی فرہنگیں ہیں جو "شرفنامہ" سے پہلے لکھی گئیں۔

دلی یا بحیثیت مجموعی شمالی ہند کی مرکزیت سے اردو اور فارسی زبان و ادب کو جو ترقی ہوئی اس کی مثالیں تاریخ کے صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں، لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ لغت کی تدوین و تالیف شمالی ہند کے مرکز سے دور بنگال اور دکن میں بھی "شرفنامہ" اور "برہان قاطع" کی صورت میں ہوئی، چنانچہ "شرفنامہ" یا "فرہنگ ابراہیمی" کا شمار ایک

اہم فرہنگ میں ہوتا ہے، جو بنگال میں نویں صدی ہجری میں لکھی گئی، یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ فارسی لغت کی جو کتابیں ساتویں صدی سے نویں صدی ہجری تک مرتب کی گئیں اور جن کی بدولت برصغیر میں فارسی زبان و ادب اور فارسی لغت نویسی کی ترویج و ترقی ہوئی، ان میں "شرفنامہ" کی اہمیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی، یہ فرہنگ ہنوز غیر مطبوعہ ہے، اور اس کے قلمی نسخے مدرسہ عالیہ ڈھاکا (بنگلا دیش) کے علاوہ بیرون ملک "مدرسہ سپہ سالار عالی" (تہران)، برٹش میوزیم "انڈیا آفس" اور "بوڈلین" (لندن) کے کتب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں، پچھلے سال (۱۹۸۲ء) حیدر آباد دکن سے جناب علی یاور جنگ کی قلمی کتابوں کے ذخیرے میں "شرفنامہ" کا بھی ایک نسخہ منتقل ہو کر پٹنہ کی خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری" میں آگیا ہے۔

بنگال جب سلطنت دہلی سے آزاد ہو گیا تو یہاں حاجی شمس الدین الیاس نے ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی جسے تاریخ میں "خاندان الیاس شاہی" (۱۳۴۲-۱۴۱۴ء) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اسی خاندان کے بادشاہ ابو المظفر رکن الدین باربک شاہ (۸۶۴-۸۷۹/۱۴۵۹-۱۴۷۴ء) کے زمانے میں "شرفنامہ" کی تدوین ہوئی یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی لیکن اس کا امکان ہے کہ اس کتاب کا مصنف سلطان مذکور کے دربار سے وابستہ رہا ہو۔ ثبوت کے طور پر اس قصیدے کے حسب ذیل اشعار درج کیے جاتے ہیں، جو سلطان باربک شاہ کی مدح سے متعلق اس کتاب میں شامل ہیں۔

بو المظفر باربک شہ شاہ عالم باد و ہست	در نگین او ہمیشہ ملک جم باد و ہست
دانا و در زبان زہم، فتح ہست و ہم ظفر	بو المظفر باربک شہ، شاہ عالم باد و ہست

ایا برادہ بر سائلی فراوان اسپ — پیادگان را بخشیدہ صد ہزاران اسپ

ابو المظفر والاجهان لطف که هست   کمینه بخشش عامت بگاه احسان اسپ

کتاب کی تدوین کے متعلق محققین میں اختلاف ہے، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کے خیال میں "شرفنامہ" (۸۴۲ - ۸۷۹ھ) کے درمیان، انڈیا آفس کے فہرست نگار کے مطابق (۸۶۲ - ۸۷۹ھ) کے درمیان اور برٹش میوزیم کے فہرست نگار رچارڈ ریو کی تحقیق کے مطابق (۸۷۰ھ) میں مرتب ہوا۔ لیکن شیخ محمد اکرام نے "ثقافت پاکستان" میں اس کی ترتیب وتدوین کا سال ۱۴۵۹ء یعنی (۸۶۴ھ) بتایا ہے، ڈاکٹر شہریار نقوی[۹] کی رائے میں "شرفنامہ" (۸۷۷ھ) میں لکھا گیا، لیکن عصر حاضر کے مستند و معتبر محقق پروفیسر نذیر احمد کے قول کے مطابق شرفنامہ ۸۶۶ھ کے بعد کی تالیف ہے۔

اسی طرح اس کتاب کے مصنف کے وطن کے بارے میں بھی مختلف رائیں ہیں، پروفیسر محمود شیرانی اور شیخ محمد اکرام[۱۲] اس کا وطن "بنگال" بتاتے ہیں اور ڈاکٹر شہریار[۱۳] نقوی اسے "ساکن شہر منیر" (بہار) کہتے ہیں، برٹش[۱۴] میوزیم کے فہرست نگار کے خیال میں مصنف "شہر بہار" کا باشندہ تھا، اور کوئی اس کا وطن جونپور کو بتاتا ہے، کتاب کا انتساب چونکہ بہار کے ایک خدا رسیدہ بزرگ کے نام کیا گیا ہے، اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مصنف کا وطن بہار ہے، البتہ اس کا امکان ہے کہ صوفی مذکور سے عقیدت کی بنا پر مصنف کا قیام کچھ دنوں بہار میں رہا ہو کیوں کہ "شرفنامہ" کے آخر میں جو مناجات شامل ہے، اس میں مصنف نے اپنی اس تمنا کا اظہار کیا ہے کہ وفات کے بعد اس کی آرام گاہ، اس کے مرشد روحانی کے مزار کے پہلو میں ہو، چوں کہ مصنف ایک طویل مدت تک بنگال میں رہا اس لئے بعضوں کے خیال میں یہ بنگالی ہے۔

مصنف کا نام ابراہیم اور اس کے والد کا نام "قوام" تھا، اور وہ نسباً فاروقی تھا، اس لیے اپنے آپ کو ابراہیم قوام فاروقی لکھتا ہے، مصنف کے دادا کے بھائی ملا رشید "زفان گویا" کے مصنف نہ صرف ایک عالم متبحر تھے، بلکہ فن لغت نویسی کے بھی ماہر تھے،

اس طرح یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مصنف کا خاندان علم وفن کا گہوارہ تھا، اور لغت نویسی کا فن اسے ورثے میں ملا تھا،

"شرفنامہ" کے مختلف نام ہیں، کسی نے اسے "شرفنامہ منیری" لکھا ہے اور کوئی اسے "شرفنامۂ ابراہیمی" کے نام سے یاد کرتا ہے، اور کوئی "فرہنگ ابراہیمی" یا "فرہنگ نامہ شیخ ابراہیم" کہتا ہے، یعنی ایک ہی کتاب کے پانچ نام ہیں، پہلے دو ناموں کا تعلق مصنف کے مرشد روحانی اور اس کے وطن سے ہے، تیسرے نام کی مناسبت مصنف اور اس کے مرشد روحانی دونوں سے ہے، اور چوتھے اور پانچویں نام کی نسبت صرف مصنف سے ہے، مصنف کے مرشد روحانی کا نام حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد ابن شیخ یحییٰ منیری ہے، ۵۷۶ھ میں حضرت مخدوم الملک کے پردادا حضرت امام محمد تاج فقیہ، تبلیغ اسلام کے خیال سے بیت المقدس سے صوبۂ بہار کے قصبہ منیر[۱۶] تشریف لائے اور وہاں کے راجہ کو شکست دے کر منیر فتح کرلیا، اور اپنے دو بڑے لڑکوں کو وہاں اپنا قائم مقام بنایا اور چھوٹے لڑکے کو اپنے ساتھ لے کر بیت المقدس واپس تشریف لے گئے، اسی قصبہ منیر میں حضرت مخدوم الملک کی پیدائش (۶۶۱ھ) میں ہوئی اور وفات (۷۸۲ھ) میں بہار شریف (موجودہ ضلع نالندہ) میں ہوئی، ایک زمانہ میں قصبہ منیر صوفیائے کرام کا مرکز تھا، اور آج بھی وہاں حضرت مخدوم الملک کے بزرگوں اور معتقدوں کے مزار شریف اور خانقاہ کے آثار باقی ہیں، "تذکرہ شعرائے منیر" مرتبہ شاہ مراد اللہ منیری کی اشاعت سے اس امر کی بھی نشان دہی ہوتی ہے کہ یہ قصبہ نہ صرف عرفان وتصوف بلکہ شعر وادب کا گہوارہ بھی رہ چکا ہے، منیر کا محل وقوع پٹنہ اور آرہ کے درمیان ہے، جو عام شاہراہ سے متصل ہے،

کتاب کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

بنام خداوند ہستی بہ است — سرِ آغاز ہر نامۂ راکہ ہست

آگے چل کر مصنف کتاب کے نام اور اپنے مرشد روحانی کی تعریف و توصیف یوں بیان کرتا ہے۔

سراپا کہ مملو ز دُرِّ دری است — شرفنامۂ احمدِ منیری است
معیشِ جہاں، سرورِ منیر است — کہ خاکِ درِ روضہ اش عنبر است
کسی کو مجاور، در آن روضہ است — بعینِ یقین، عرش را دیدہ است
کنوں روضہ اش کعبۂ ثانی است — کہ باران بروفیضِ رحمانی است
کفیلِ نجات است خاکِ درش — خوشا آن کسی کس بُود بر سرش
مکاتیب او، کانِ ایمان شمر — بود منکر او ز کافر بتر
تصانیف او را ہمہ عرشیان — بگیرند از بہرِ حرزِ جان
ہر آن کس کہ دارد تولا بدو — زنجد گہی حق تعالیٰ ازو

خدایا بحقِ جمالِ بشر
براہیم راز سگانش شمر

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ بہار کے خواص و عوام کی زبان پر اس قصبے کا نام مَنیر (Maner) کی حیثیت سے چلا آرہا ہے، معلوم نہیں مصنف نے شعری ضرورت یا قافیے کی مجبوری کی بنا پر اسے بطور مُنیر (Manyar) نظم کیا ہے، یا ممکن ہے کثرتِ استعمال اور تلفظ کی آسانی کی وجہ سے مُنیر اپنی اصلی حالت بدل کر مَنیر ہوگیا ہے، لیکن منیر شریف کے مخدوم زادوں کے سفینوں میں قصبۂ منیر کی فتح کا جو قطعۂ تاریخ درج ہے اس میں بھی اس لفظ کا تلفظ مُنیر ہی نظم ہوا ہے، مثلاً

یافت چوں بر راجۂ منیر ظفر — داد امام از دین جہانے را نوی
ہست منقول از بزرگانِ سلف — سال آن دینِ محمدؐ شد قوی

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، شرفنامہ فارسی لغت کی ایک کتاب ہے جس کے آغاز میں منظوم مقدمہ، نعت اور مدح بھی شامل ہے۔ الفاظ کی شرح سے پہلے حروفِ مفرد اور فارسی حروفِ تہجی سے بحث کی گئی ہے، اور ہر باب کی ابتدا میں اس باب سے متعلق ایک قصیدہ ہے۔ الفاظ کے معنی بیان کرنے کے سلسلے میں حافظ شیرازی سے فردوسی طوسی تک اور بعض جگہ خود مصنف نے اپنے اشعار سے استدلال کیا ہے، ہر فصل کے آخر میں بعض ترکی الفاظ بھی پائے جاتے ہیں اور بعض جگہ فارسی الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے مصنف نے ان کے مترادف ہندی (اردو) الفاظ بھی دیے ہیں، لیکن اردو الفاظ کے استعمال کی یہ کوئی پہلی مثال نہیں بلکہ ہندوستان کی اولین فارسی لغت یعنی "فرہنگ قواس" اور اداتُ الفضلاء میں بھی ہندی (اردو) الفاظ استعمال کیے گئے ہیں بلکہ "بحر الفضائل" کے آخر میں جو فارسی کی لغت ہے اردو زبان کے مسائل زیرِ بحث آئے ہیں، گویا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اردو زبان کا وجود تیرھویں صدی عیسوی یعنی مغلوں سے پہلے علاؤ الدین خلجی کے زمانے سے پایا جاتا ہے، اردو زبان کے آغاز کی تاریخ میں یہ ایک اہم انکشاف ہے جسے تاریخی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اردو کا ابتدائی نام ہندی یا ہندوی ہی تھا جو متذکرہ لغات میں استعمال ہوئے ہیں۔ بہر کیف، "فرہنگ نظام" مرتبہ آغا محمد علی شیرازی کی پانچویں جلد میں ہندوستان میں مرتب ہونے والی جن فارسی لغت کی کتابوں پر عالمانہ اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے، ان میں "شرفنامہ" کو ایک خاص اہمیت دی گئی ہے، یہی نہیں بلکہ "شرفنامہ" کے مصنف کو بھی اپنے اس ادبی کارنامے پر فخر ہے چنانچہ خود کہتا ہے

جزا لمعنیٰ دارد، مراد ابراہیم   کسی کہ نیست محقق، درفصیح لغات

شرفنامہ" میں جو اشعار درج ہیں، ان کی نوعیت اور تفصیل یوں بیان کی جاسکتی ہے۔ مثلاً (الف) نو طویل قصیدے (ب) دو قصیدوں کے بعض حصے (ج) آٹھ غزلیں یا ان کے حصے (د) دو قطعے (ہ) ایک رباعی (و) تقریباً چار سو چالیس مطلعے یا ابیات۔ ان اشعار میں علم نجوم کی اصطلاحات، تشبیہات و استعارات، محاورات و امثال رعایت لفظی اور صنایع، بدایع پائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ شاذ و نادر قافیوں اور کم استعمال لفظوں کی وجہ سے اشعار پُر تکلف اور آمد کی جگہ آورد معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ کتاب شاعری کے نقطۂ نظر سے اہم نہیں بلکہ اس کی نوعیت ایک لغت کی حیثیت سے مسلّم ہے، جس میں عام لفظوں کے علاوہ نادر و نایاب لفظوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے، البتہ مصنف کے اشعار کا اور کوئی مجموعہ نہیں ملتا۔ اسی لیے ایک شاعر کی حیثیت سے مصنف کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ مثال کے طور پر ایک قصیدہ اور ایک غزل کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

آفتاب خاوری سر نار داز روزن بروں   تا جواز امر تو بنود (؟) دو راہر صبحدم (کذا)

تا زند سکہ بنامت، بر درست مہر چرخ   کورہ می سازد، زنغار خاوری داز صبحدم

گر نہ دست قہر تو نا ی گلو شان بفشرد   قے کند در ہر دمے بہر چہ شام و صبحدم

کی مقابل می شوی، پیش رخت ہر آفتاب   گر نہ ادی آفتاب سادہ دل را صبحدم

از خجالت دم فرو بستیش در نا ی گلو   گر زدی از مہر تابان پیش رویت صبحدم

آسمان را مہر گوید، باشدش رویت مراد   کرای لبسویش آن یکا دآن مہر ہمچو صبحدم

عنبریں سازد، بذکر خامۂ تو شام کام   مشک بو دارد، بنام سرۂ تو صبحدم

اشعار غزلیات

(زیر یار ا)

اگر مطالعۂ حسن خود کنی یارا   وگر نہ فرق کنی از ہمان الف دیا را (کذا)

کجا روم، چہ کنم؟ ہیچ رہ نمی دانم   مرا کہ نیست بہجر تو چارہ و یارا

چہ کباب نہ سازی، ز ہجر نقل دلم   چو باشراب تراہست، رغبتی یارا

یہاں یہ بات بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر شہریار نقوی مرحوم نے جو پہلے تہران اور بعد میں اصفہان یونیورسٹی میں اردو کے استاد تھے، اپنی کتاب "فرہنگ نویسی فارسی در ہند و پاکستان" میں شرفنامہ کی تدوین، اس کے مصنف اور مرشد روحانی کے متعلق بعض ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو محض غلط فہمی پر مبنی ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ یہ تسامح ڈاکٹر صاحب سے کیسے ہوا؟ بہر کیف، ان کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) مصنف کے مرشد روحانی حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد کو کہیں "شیخ"[۲۱] اور کہیں "سید"[۲۲] لکھا ہے۔

(۲) (الف) شیخ شرف الدین احمد ابن یحییٰ منیری کا سفر قصبہ منیر سے دہلی تک (ب) حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی کے دست مبارک پر دہلی میں حضرت شیخ شرف الدین احمد کا بیعت ہونا (ج) حضرت شیخ شرف الدین احمد کا وصال بہار شریف میں (۷۸۲ھ ق) یہ تینوں باتیں ابراہیم قوام فاروقی سے منسوب کردی ہیں،

(۳) حضرت شیخ شرف الدینؒ کے مجموعۂ ملفوظات "معدن المعانی" کا نام "معدن المعنیٰ" لکھا ہے،

نمبر (۲) اور (۳) کے متعلق ڈاکٹر صاحب موصوف نے برٹش میوزیم کے فہرست نگار

چارلس ریو کی فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم صفحہ ۴۹۲ شمارہ (۷۷۰ء) کا حوالہ دیا ہے، لیکن جب میں نے اس فہرست کا جائزہ لیا تو یہ انکشاف ہوا کہ جہاں جہاں حضرت مخدوم الملک کا تذکرہ آیا ہے وہاں وہاں ڈاکٹر نقوی نے ابراہیم قوام فاروقی کا نام لکھ دیا ہے، اس طرح وہ تمام باتیں جو شیخ مذکور سے منسوب تھیں، فاروقی سے منسوب کر دیں دونوں کی عبارتیں نیچے درج کی جاتی ہیں، نقوی صاحب فرماتے ہیں :۔

"ریو در فہرست کتاب خانہ موزۂ برطانیا جلد دوم ضمن کتاب شمارہ (۷۷۰ء) در صفحہ ۴۹۲ می نویسد کہ ابراہیم قوام فاروقی از قریۂ منیر بہ دہلی مسافرت کرد اما نظام الدین اولیا ر (متوفی ۷۲۵ ہجری قمری) را آنجا نیافت و مرید شیخ نجیب الدین فردوسی شد، و اواخر عمرش را در بہار گذرانیدہ و در ہماں جا بسال ۷۸۲ ہجری فوت کردہ است، ریو اضافہ می نماید کہ نامہ ہای ابراہیم قوام فاروقی و سخنرانیہای وی کہ بنام "معدن المعنی" تدوین گردیدہ است دارای ارزش ادبی و اخلاقی می باشد۔" ۲۳

چارلس ریو لکھتا ہے۔ ۲۴

Sharaf uddin Ahmad B.Yahya Munyari,so called from his native place,Munyar,a village in Bihar,went to Delhi in quest of Nizam Uddin Auliya but finding him dead(Nizamdied A.H.725)became a Murid of Shaikh Najih Uddin Firdausi who gave him investiture of the Chishti order.He spent the later part of his

life in the city of Bihar(Thornton's Bihar),where he died A.H.782,and where his tomb became the resort of the devout.His letters (Stewart's Cata logue P.42) are much admired,as wellas his discourses collected under the title of Maden ul Ma'ani.

اگر ڈاکٹر نقوی کے قول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ابراہیم قوام فاروقی کی وفات ۷۸۲ھ میں ہوتی ہے، اور ۸۷۷ھ میں وہ شرفنامہ مرتب کرتے ہیں،

اسی طرح انڈیا آفس کے فہرست نگار کو "فرہنگ ابراہیمی" کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ محمود ابن شیخ ضیا تھانیسری کی کتاب "تحفۃ السعادت" کے مقدمے کا کچھ حصہ "فرہنگ ابراہیمی" کے ساتھ مل گیا ہے۔ جس کی بنا پر اس نے ابراہیم قوام فاروقی اور محمود بن شیخ ضیا تھانیسری یعنی دونوں کو "فرہنگ ابراہیمی" کا مشترکہ مصنف قرار دیا ہے، حالانکہ "شرفنامہ" یا "فرہنگ ابراہیمی" کا سال تالیف خود اسی کے قول کے مطابق (۸۶۲-۸۶۹ھ / ۱۴۵۸-۱۴۶۵ع) کے درمیان ہے اور "تحفۃ السعادت" کا سنہ تالیف (۹۱۶ھ / ۱۵۱۰ع) ہے، اگر فہرست نگار مذکور نے ذرا سی توجہ کی ہوتی تو ایسی فاحش غلطی نہ ہوتی، وہ کتاب کے خاتمے پر اس طرح لکھتا ہے۔ ۲۵

"فرہنگ نامہ شیخ ابراہیم رحمۃ (۹۱۶ھ) اللہ تعالی و قاضی محمود تھانیسری سلمہ اللہ تعالی..." الخ

"شرفنامہ" کا ایک افادی پہلو یہ ہے کہ اس نے اپنے معاصرین میں مسلم بنگال کی

مشہور اور قابل ذکر شخصیتوں کا تذکرہ کیا ہے، جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نویں صدی ہجری قمری یعنی پندرہویں صدی عیسوی میں "آزاد سلاطین بنگال" کے عہد میں فارسی نہ صرف سرکاری زبان تھی بلکہ اس زبان کے شاعر و ادیب ایک مستقل اور مسلّم حیثیت کے مالک تھے، اور انھوں نے اس زبان میں تصنیف بھی کی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان کے شعری و ادبی کارنامے ہم تک نہ پہنچ سکے اور جن کے نام معلوم ہوسکے اب وہ کتابیں ناپید ہیں، اسی لئے صحیح طور پر ان کی ادبی حیثیت کا تعین ممکن نہیں، ان میں افتخار الحکماء امیر شہاب الدین حکیم کرمانی کی "فرہنگ امیر شہاب الدین کرمانی" کا اس طرح پتہ چلتا ہے کہ "شرفنامہ" میں ابراہیم قوام فاروقی نے اس سے بعض الفاظ کے سلسلے میں سند پیش کی ہے، دوسرے شخص جن کا تذکرہ "شرفنامہ" میں آیا ہے وہ شیخ واحدی ہیں جن کی "حبل المتین" سے کئی جگہ اشعار کے حوالے پیش کئے گئے ہیں، شیخ واحدی کا نام ابراہیم قوام فاروقی نے بڑے احترام سے لیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "شرفنامہ" کی تالیف کے وقت شیخ وفات پاچکے تھے، تیسرے شخص امیر زین الدین ہروی ہیں جو اس زمانے میں بنگال کے ملک الشعراء تھے، ابراہیم قوام فاروقی سے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے، چناں چہ امیر زین الدین کی ادبی مجلسوں کا اس نے تذکرہ کیا ہے، چوتھے شخص منصور شیرازی ہیں جن کا خاندان بنگال میں آباد ہوگیا تھا، منصور ایک بلند پایہ شاعر تھے، جن کے اشعار "شرفنامہ" میں نقل کئے گئے ہیں، اور "شرفنامے" کے مولف نے خود بھی اس کے جواب میں چار قصیدے لکھے ہیں، پانچویں شخص ملک یوسف ابن حمید ہیں جن کا شمار یہاں کے مقامی شعراء میں ہوتا ہے، ان کے اشعار بھی "شرفنامہ" میں پائے جاتے ہیں، ممکن ہے ملک یوسف ابن حمید ایک مقامی رئیس ملک محمد کے والد ہوں کیوں کہ وہ اپنے آپ کو ملک محمد ابن یوسف لکھتے ہیں، ان پانچ کے علاوہ

اور تین شاعروں کا تذکرہ شرفنامہ میں پایا جاتا ہے، جن کے نام سید جلال، سید محمد رکن، اور سید حسن ہیں،

متذکرۂ بالا اشخاص میں سے جن کا کلام "شرفنامہ" میں ملتا ہے، اسے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

(۱) شیخ واحدی۔

پسر مرد تہی کیسہ مباد از بیا　　گرچہ از دولت او کیسہ کند پر بابا
این زنگ زشت را ترک کن ای واحدی　　کین زنگ بیوفا گشتہ بسی شوہرک
عقد دو خواہر چسان، عقل تصور کند　　طالب آن خواہری، بگذر ازین خواہرک
مالک زالک مبین، مارک او بین کراست　　مالک عفریت را، مارک او بہ مرک
شنگلک دشوخک بود، شاہد گرد لمہ با　　قحبگک عشوہ پر، خوبک سیمین برک

(۲) منصور شیرازی

چو دست یاسمن صبح، ازین زمرد شاخ　　بخورد سنبل شب را غزال زرین شاخ
در آمد از در من، دلربای سنبل مو　　شگفتہ بر سمن عارضش چو گل بر شاخ
فتادہ در سرش، از بادۂ شبینہ خمار　　بعزم عیش، صبوحی نہادہ بر کف شاخ
زدہ بہ سنبل پر تاب شانہ، وز غم را　　چو شانہ سینۂ عاجبد لال شد صد شاخ
چو چشم ابر شد آبی و روی گلناری　　در آبگون قدح افگن شراب گلناری
برد رنگ گل، می گلگون، بیا و وای ساقی　　کہ حیف باشد گرمی بدور گلناری
بسوخت لالہ صفت صد ہزار دل آن دم　　کہ کرد ساقیٔ ما، چہرہ را چو گلناری

(۴) ملک یوسف بن حمید

دیر شد دیر کہ از خاک در تو دوری است　　دوری از خاک درت، باعث رنجوری است

بار عیسیٰ نفس و رنج تنم را لازم
جام می بر کف دمار الم مخموری است

"ثمر فنامہ" پر کئی سال قبل ایران کی "فارسی اکاڈمی" میں مینا حکیمیہ نامی ایک خاتون نے ڈاکٹریٹ کے لیے لسانیات کے مشہور ایرانی پروفیسر ڈاکٹر صادق کیا کی رہنمائی میں تحقیق شروع کی تھی لیکن وہاں اسلامی انقلاب کے بعد یہ کام اب کس منزل میں ہے اس کا علم نہیں کیونکہ ڈاکٹر صادق کیا اب اس اکاڈمی کے ڈائریکٹر نہیں رہے، البتہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ڈاکٹر سید طارق حسن (لیکچرار شعبۂ فارسی) نے برصغیر کے مشہور محقق پروفیسر نذیر احمد صاحب کی رہنمائی میں "ثمر فنامہ" کا انتقادی متن تیار کر لیا ہے، جس پر انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی گئی ہے، اس کتاب کی اشاعت سے فارسی فرہنگ نویسی میں ایک خوشگوار اور قابل قدر اضافہ ہوگا۔

حواشی

۱۔ "فرہنگ نویسی فارسی در ہند و پاکستان" مطبوعہ چاپخانۂ دانشگاہ تہران ۱۳۴۱ھ (ص ۵۵م) ڈاکٹر شہریار نقوی نے اسے "فرہنگ قواسی" لکھا ہے، جو درست نہیں، برصغیر کے مشہور محقق پروفیسر نذیر احمد صاحب نے مرتب کر کے ۱۹۷۴ء میں اسے "بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، (تہران)، سے شائع کر دیا ہے،

۲۔ "پنجاب میں اردو" (تیسرا اڈیشن ۱۹۶۳ء)، ص ۲۸۵، پروفیسر محمود شیرانی نے اس کا سنہ تالیف ۷۰۰ھ لکھا جو غالباً کتابت کی غلطی ہے، پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اسے مرتب کر کے ۱۹۷۵ء میں "بنیاد فرہنگ" (تہران)، سے شائع کر دیا ہے،

۳۔ "زفان گویا" کا ناقص الاول نسخہ اور باکی پور نسخے کا خلاصہ س۔ الف۔ بایفسکی نے ۱۹۷۴ء میں ماسکو سے شائع کر دیا ہے۔

آقا احمد علی اصفہانی نے "مؤید برہان" بنگال ہی میں مرتب کی۔

۴۔

۵۔ "پنجاب میں اردو" تیسرا اڈیشن ۱۹۶۳ء ص ۲۹۳

۶۔ "فہرست مخطوطات فارسی" شمارہ (۳۰۵۲)

۷۔ "فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم شمارہ (۶۷۸)، ص ۴۹۲

۸۔ "ثقافت پاکستان" مطبوعہ ادارۂ مطبوعات پاکستان، کراچی ص ۲۰۲

۹۔ "فرہنگ نویسی فارسی در ہند و پاکستان" مطبوعہ چاپخانۂ دانشگاہ تہران ۱۳۴۱ھ ص ۶۲

۱۰۔ مجلہ "غالب نامہ" جولائی ۱۹۸۱ء "نقد برہان قاطع" ص ۶

۱۱۔ "پنجاب میں اردو" محولہ بالا ص ۲۹۳

۱۲۔ "ثقافت پاکستان" محولہ بالا ص ۲۰۲

۱۳۔ "فرہنگ نویسی فارسی در ہند و پاکستان" محولہ بالا ص ۶۲

۱۴۔ "فہرست مخطوطات فارسی" محولہ بالا ص ۴۹۲ شمارہ (۶۷۸)

۱۵۔ "پنجاب میں اردو" محولہ بالا ص ۲۸۵

۱۶۔ تاریخ سلسلۂ فردوسیہ مرتبہ معین الدین دردائی، مطبوعہ تاج پریس گیا ۱۹۶۲ء (ص ۱۳۹) دردائی صاحب نے حضرت تاج فقیہہ کا وطن بیت المقدس کا محلہ قدس خلیل بتایا ہے، موصوف کو مغالطہ ہوا ہے، بیت المقدس میں قدس خلیل نام کا کوئی محلہ نہیں البتہ ہبرون کو "خلیل الرحمٰن" یا مختصر طور پر "الخلیل" بھی کہتے ہیں، جو بیت المقدس سے تقریباً ستر کیلو میٹر دور ایک مستقل شہر ہے، (ملاحظہ ہو۔ Al-Haram Al-Ibrahimi
Al-Khalil (A brief guide).

۱۷۔ "بہار میں اردو نثر کا ارتقا" از ڈاکٹر مظفر اقبال، مکتبہ خانہ ترپولیا، پٹنہ (۱۹۸۰ء) ص

اس مصرعے میں "محمد" کی جگہ "محمدی" لکھا ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۱۸۔ "پنجاب میں اردو" محولہ بالا ص ۲۸۳

۱۹۔ ماسبق ص ۲۹۳۔

۲۰۔ مجلہ "غالب نامہ" جولائی ۱۹۸۰ء "نقد برہان قاطع" ص ۵

۲۱۔ "فرہنگ نویسی فارسی در ہند و پاکستان" محولہ بالا ص ۶۲ سطر ۳۔

۲۲۔ ماسبق ص ۶۲ سطر ۱۰۔

۲۳۔ ماسبق ص ۶۳

۲۴۔ "فہرست مخطوطات فارسی" محولہ بالا شمارہ (۸،۶، ص ۴۹۲)

۲۵۔ "اخبار الاخیار" از عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ ۱۹۱۳ء ص ۱۲۴ میں بھی یہی لکھا ہے لیکن "لطائف اشرفی" مطبوعہ نصرت المطابع، دہلی ص ۳۷۰ (بحوالہ "تاریخ سلسلۂ فردوسیہ" محولہ بالا ص ۱۴۴)، میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم بہاریؒ کی ملاقات حضرت نظام الدین اولیاء سے دہلی میں ہوئی تھی،

۲۶۔ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس، شمارہ (۲۰۵۲)

۲۷۔ "پنجاب میں اردو" محولہ بالا ص ۲۹۴ پروفیسر شیرانی نے "محمد شیرازی" لکھا ہے، جو غالباً کتابت کی غلطی ہے،

۲۸۔ مجلہ "غالب نامہ" محولہ بالا ص ۶ "نقد برہان قاطع" مقالہ پروفیسر نذیر احمد صاحب۔

ایک خاندانی بیاض

از جناب آصف احمد صاحب علی گڑھ،

میرا تعلق بریلی کے ایک معزز علمی گھرانے سے ہے، میرے پردادا سید ولایت علی گورنمنٹ اسکول بریلی میں (جو بعد میں بریلی کالج ہوا) ہیڈ مولوی تھے، وہ سر محمد یعقوب کے ہم جماعت اور دوست تھے، سید ولایت علی کے بیٹے یعنی میرے دادا کا نام سید ارادت علی تھا، وہ عربی و فارسی میں کافی دستگاہ اور شعر و ادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے، ان کا ذاتی کتب خانہ تھا، جو اردو، فارسی اور عربی کی منتخب کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا، ان کو کتابت کا بھی شوق تھا، قرآن مجید کا ایک نسخہ خود ان کا لکھا ہوا ان کے ذخیرے میں تھا، کتب بینی کے شوق کا یہ عالم تھا کہ باہر جاتے تو کتابوں کا صندوق ساتھ لے جاتے تھے، ان کی وفات ۱۹۶۳ء کے بعد یہ کتبخانہ برباد ہوگیا سیکڑوں کتابیں کیڑوں کی نذر ہوگئیں، ایک صندوق کتابیں جو کیڑوں نے بالکل برباد کردی تھیں، میں نے اپنے ہاتھ سے نذر آتش کیں، ان کے بڑے صاحبزادے سید شوکت علی ریاست رامپور میں دار الانشاء کے سکریٹری تھے، اور اب رامپور میں مقیم ہیں، ان کے پاس بھی کوئی کتاب نہیں رہی، البتہ میرے پاس خود میرے دادا کی مرتب کی ہوئی ایک بیاض ہے، یہ بیاض کئی سال کے وقفے سے تیار ہوئی، وہ اس میں برابر اضافہ کرتے رہتے تھے، ایک دو اضافے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۶ء کے بھی ہیں، کچھ اضافے دوسرے قلم کے ہیں، درمیان میں بعض جگہ کافی اوراق سادے چھوٹے ہوئے ہیں، ان کے پُر کرنے کا موقع نہیں ملا ہوگا۔

اس بیاض میں کل ۲۰۰ سے زائد اوراق ہیں، آخر میں پچاس ورق سادے چھوٹے ہیں، بیاض کا سائز ۳ ½ × ۳ ½ ہے، اس کے تین جز ہیں، پہلا جز فارسی اشعار پر مشتمل ہے، یہ ۸۰ اوراق کو حاوی ہے، دوسرا جز اردو اشعار کا ہے، اس میں ۴۵ ورق ہیں (ورق ۸۲ تا ۱۳۶)، تیسرا نسخہ اوراد و وظائف اور کچھ طبی نسخوں پر مشتمل ہے،

اب میں بیاض کے بعض مندرجات کی تشریح کرنا چاہتی ہوں۔

حصۂ فارسی | اس کی ابتدا فیضی کی حمد سے ہوتی ہے۔

یا ازلی الظہور یا ابدی الخفا الخ

اس کے بعد دو مختصر منظومے ہیں، پہلی نظم میں کسی شخص نے ابو علی سینا کو اپنی علالت لکھ بھیجی تھی، دوسری نظم میں اس شخص کی بیماری کے لیے ایک نسخہ تجویز ہوا ہے دوسری نظم ابو علی سینا کی ہے لیکن اس کی نسبت ابو علی سینا کی طرف غلط معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ اول یہ کہ بہت ہی پھسپھسی نظم ہے، دوسرے یہ کہ زبان بھی اتنی قدیم نہیں معلوم ہوتی ہے، ابن سینا کی کتاب دانش نامہ علائی فارسی میں موجود ہے، اس کی زبان سے اس نظم کی زبان کافی موخر ہے نظم کی ابتدا اس طرح ہے،

زہے ستودہ خصائل کہ گاہ نظم سخن
زبہر لطف طبیعت گہر ہمی ریزد

اس کے بعد نثر کا صفحہ ہے جو ایک پھکڑ ہے، دونوں نظم اور نثر کا یہ ٹکڑا ایک ورق پر ہے، اس کی سیاہی دوسری ہے، گو خط ایک ہی ہے، اس کے بعد خیام کی ۴۲ رباعیاں درج ہیں، ایک ورق میں غنی، ظہوری، نظیری، جامی اور سلیمان کے مختلف اشعار درج ہیں، اسکے بعد خیام کی پھر ۱۱ رباعیاں ہیں، اس کے بعد مولانا شبلی کا مشہور ترکیب بند ہے، جو امرتسر کے ایک جلسے منعقدہ ۱۰ اکتوبر میں پڑھا گیا تھا، اس کی ابتدا یوں ہے، (ورق ۱۸)

اے کہ پرسی کہ چہ کسانیم و چہ سامان داریم الخ

اس کے بعد پھر خیام کی ۸ رباعیاں ہیں، اس کے بعد ابن یمین، بیدل، صائب، سعدی، نظامی، خاقانی وغیرہ فارسی شعرا کی چند ابیات کے بعد ملکہ نور جہاں کے حسب ذیل ابیات درج ہیں،

ہلال عید بہ اوج فلک ہویدا شد[1]
کلید مے کدہ گم گشتہ بود پیدا شد

ہنوز آن نقل خندیدن ندانند
نگہ دزدیدن و دیدن ندانند

کشاد غنچہ اگر از نسیم گلزار است
کلید قفل دل ما تبسم یار است

سیہ زلف و خالش بلاے نہان است
مترس از بلائے کہ شب درمیان است

دقیقہ ہای معانیش در سواد حروف
چو در سیاہی شب روشنی پروین است

سلک مروارید بر فرق سرش دانی کہ چیست
تشنگان شوق راجوئی است از آب حیات
(ورق ۱۲)

نور جہاں کے حسب ذیل اشعار ورق ۷ ب پر پھر درج ہوئے ہیں،

تاب زن مثل گہر بر خویشتن پیچیدہ بہ
چشمہ زار زندگانی از نظر پوشیدہ بہ

زندگی بحر پر آشوب است و زن پایاب او
موج گرداند نگر پایاب او نادیدہ بہ

آشکارائی زستر آفرینش دوری است
زانکہ حفظ جوہر خلق از مستوری است

ان اشعار کے درمیان قواعد کی رعایت کرتے ہوئے 'ولہ' کے بجائے 'ولہا' ہے، نور جہاں کے اشعار (جز اول)، کے بعد چند شعرائے متقدم و متاخر کا کلام ہے، ان ہی میں شاد عظیم آبادی کے دو فارسی شعر ہیں۔

بداں عیار ای دل چند روزی ساختی رفتی
متاع دین و دنیا در محبت باختی رفتی

وفہمیدی کہ این شاد است و نا شاد است در ہجراں
شکاری بود از فتراک خود انداختی رفتی (ورق ۱۸ ب)

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی کی ایک مناجات ہے، جو اس طرح شروع ہوتی ہے ۱۰ (۱۱۴)

[1] تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا مصرعہ جہانگیر کا ہے، جو عید کے چاند کی رویت کے موقع پر کہا گیا دوسرا مصرعہ نور جہاں نے فی البدیہہ کہا۔

خذ بلطفک یا الٰہی من لہ زادٌ قلیل
مفلساً بالصدق یاتی عند بابک یا جلیل

پھر قدسیؔ کی مشہور نعت ہے، (ورق ۱۴ ب)

اس کے بعد چند شعرا کے کلام کے بعد منشی امیر احمد امیرؔ کی ایک ۱۳ اشعار پر مشتمل غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے۔ (ورق ۱۹ ب)

شاہ حسن نیازم چو شود جلوہ فروشش
سجدہ رقصد بر پا رود سر من بر دوشش

ورق ۲۲ ب پر اکبر بادشاہ کے نام حسب ذیل اشعار درج ہیں۔

گریہ کردم زغمت موجب خوشحالی شد
ریختم خون دل از دیدہ دلم خالی شد

رباعی

می ناز کہ دل خون شدہ از دوری او
من بار غم زدست ہجوری او (کذا)
در آئینہ چرخ نہ قوس قزح است
عکس است نمایان شدہ از چوری او

من بنگ نمی خورم مے آرید
من چنگ نمی زنم نیا رید

قطعہ

دو شنبہ بکوے می فروشان
پیمانۂ مے بزر خریدم
اکنون ز خمار سر گرانم
زر دادم و درد سر خریدم

ورق ۲۳ ب پر اوحد الدین کرمانی[1] کا نعتیہ قصیدہ درج ہے۔ قصیدہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کے چند منتخب اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

خوش آنکہ بندم در رہت بر ناقہ محمل از وطن
خیزم چو گرد افتم چو اشک آیم بسر غلطم بتن

چون پا نہم در راہ تو باشد پی قطع رہم
یا راحلہ کف ابلہ چشم قدم غم زاد من

ایم برین دار الشفا گویم بزاری دمبدم
ای شمع دین ختم رسل مطلوب حق فخر زمن

[1] شیخ سعدی کی (وفات ۶۹۲) کے معاصر اور تصوف و عرفان میں سعدی کی طرح ابوحفص عمر سہروردی کے شاگرد تھے۔

شاہ سریر سلطنت سلطان او ادنیٰ لقب
مکی نسب امی حسب بطحی مکان یثرب وطن

از گفتن نعتت بود ساعت بساعت تازہ تر
باغ امل شاخ طرب گل زار جان نخل بدن

از شوق باغ عارضت از دست حسرت چاک زد
لالہ گریبان غنچہ دل نسرین قبا گل پیرہن

از شرم خاک درگہت بر خاک خواری ریختہ
رنگ گل و آب مل و تاب چمن بوی سمن

سحر آفرین عقل را در وقت وصفت او فتد
کلک از بنان لفظ از بیان نطق از زبان حرف از دہن

کمتر گدای درگہت بر مسند شاہی بود
خسرو صفت دارا محل خاقان مکان جمشید فن

ای رحمۃ للعالمین برخیز تا خیزد دگر
شور از فلک جور از فلک رنگ از زحل سر از علن (کذا)

از سطوت حکمت سزد گر روی تابد تا ابد
آب از زمین تاب از شرر طبل از گل باد از چمن

بر گردن اعدای تو دست سپہر انداختہ
زنجیر غم بند الم غل ستم طوق محن

عقل و دل و دین و خرد گردند گرد روضہ ات
این شادمان آن جان فشان این نعرہ زن آن چرخ زن

شمشیر شرع انورت از بہر دفع کفر شد
گیتی ستان آتش فشان کشور کشا اعدا فگن

از ہیبت شرعت عجب نبود اگر دوری کند
چشم از غضب ابرو زچین جان از فسون زلف از شکن

کلک بدائع سنج من از صفحۂ نعتت شود
دستان سرا معنی نما عیسیٰ نفس عنبر فگن

بی نافہ ات ہر جا نہد از دولت گامش بود
باغ ارم ملک ختا صحرای چین دست ختن

وقت چمیدن از دہن خاری کہ افتد بر زمین
سوسن شود نسرین دمد خیزد گل آرد نسترن

در پیش خدام درت بستہ میان بندگی
علم و ادب عقل و ہنر ذہن و ذکا جود و محن

تا بر زمین افتد ز شرم بنمای روی نازنین
زہرہ ز بام مہ از افق مہر از نسق شمع از لگن

از حجرہ بیرون نہ قدم برکن درخت ظلم را
بر باد دہ آتش فگن در ہم شکن از پا فگن

در زیر فرمان آمدہ فرمانبر حکم ترا
چین و ختا مصر و حلب روم و ری شام و یمن

گر حفظ تو مانع شود گردد گریزاں تا ابد — مرگ از مرض زنگ از عوض گرگ از غنم زاغ از زغن

از دولت نعمت بود لحظہ بہ لحظہ تازہ تر — فیضِ ازل عمر ابد نوروز نو عیش کہن

ای آفتاب شرع و دین چون خاک پامال توام — در من نگر بر من گذر سایہ فگن بر فرقِ من

خوبت شفاعت کردن است ہستی شفیع المذنبین — بیچارہ من نامہ سیہ حالم تبہ دل پُر حزن

اس کے بعد جامی، سعدی، خسرو، ظہیر اور شمس تبریز کی نعتیہ نظمیں ہیں، جامی کی پہلی نعتیہ غزل کا مطلع یہ ہے،

کی بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم — گہ بہ مکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

پھر ظہیر فاریابی کی نعت ہے، جس کا مطلع اس طرح ہے۔

ای از ہلال ناخنت بدر بیک اشارہ شق — چرخ نثار مقدمت کردہ ستارہ پر طبق

نعتیہ منظومات کے بعد فردوسی کا ایک قطعہ ہے۔

درختی کہ تلخ است وے را سرشت — گرش در نشانی بہ باغِ بہشت

ور از جوی خلدش بہ ہنگام آب — بہ بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب

سر انجام گوہر بکار آورد — ہمان میوۂ تلخ بار آورد (۲۸ ب)

اس کے جواب میں ہاتفی کے حسب ذیل دو قطعے ہیں۔ (۲۸ ب)

اگر بیضۂ زاغ ظلمت سرشت — نہی زیر طاؤس باغِ بہشت (۲۸)

اگر وقت آن بیضۂ پروردیش — ز انجیر جنت دہی روزیش

دہی آبش از چشمۂ سلسبیل — در ان بیضہ دم در دمد جبرئیل

شود عاقبت بیضۂ زاغ زاغ — برد رنج بیہودہ طاؤس باغ

اگر سالہا مردمِ بد سرشت — شود ہمدمِ حوریان در بہشت

دران محفل پُر صفا روز و شب — ز جبرئیل خواند فنونِ ادب

بران اعتقادم کہ ہنگام کار — نگردد از و جز بدی آشکار

اس کے بعد چند شاعروں کے اشعار درج ہیں، پھر غالب کی ایک فارسی غزل ہے، جس کا مطلع یہ ہے۔

تا ہم ز دل برد کا فرادائی — بالا بلندی کوتہ قبائی (۳۰ ب)

بعد ازآن گرامی جالندھری شاعر خاص حضور نظام دکن کی غزل "خفت است" زمین میں ہے، جو اس طرح شروع ہوتی ہے،

با گوشۂ آن چشم سرمہ ساخفت است — نگہ کنید کہ برق بلا کجا خفت است (۳۰ ب)

اس کے فوراً بعد حکیم ابو الصواب قریشی انصاری کی ایک نظم نوروز کے خیر مقدم کے عنوان سے درج ہے جو ۲۳ مارچ ۱۹۱۸ء کے اخبار ہمدم سے نقل ہوئی ہے، (۳۲ ا)

مولانا روم کی ایک غزل کے بعد غالب کی ایک اردو غزل دوسری سیاہی میں درج ہے،

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں الخ

اس کے بعد فارسی کے متعدد شعرا کا کلام نقل ہے جس میں کسی قدر حروف تہجی کا لحاظ رکھا گیا ہے، (ورق ۳۳ ب بعد) شعرا یہ ہیں،

انوری، آصفی، اہلی شیرازی، اسیر، امانی، انصاب، ایجاد، اوجی، آذری، امیدی، ابو الحسن، اسدی طوسی، ابن یمین، ابو زید، افضل کاشی، اوحدی، انسی، آلادہ، (مفتی صدر الدین) احمدی، ایما، آگاہ، الفتی، آفاقی، اعجاز، ابراہیم، اشرف خان، افتخار، امداد، الہی، اثیر، آرزو، آزاد بلگرامی، آفرین، آصف، امید، فضلی، اہلی،

اقدسؔ ایجادؔ، باذلؔ، بیدلؔ، بیخبرؔ، پردلؔ، پیامیؔ، پیامؔ، ترانیؔ، تجلیؔ، تشبیہیؔ، تائبؔ، ترکمانؔ، جامیؔ، جہانگیرؔ، جمالیؔ، جرأتؔ، جدائیؔ، چاکریؔ، حسنؔ غزنوی، حسنؔ دہلوی، حافظؔ، حیاتیؔ، حزیںؔ، خاقانیؔ، خسروؔ، خوشدل گوپاموی، دانشؔ، دردؔ دہلوی، ذوقیؔ، ذہنیؔ، ذرّہؔ، رودکیؔ، رفیعیؔ، رازیؔ ہندی، رحیمؔ، زائرؔ الہ آبادی، زیبؔ النساء، سعدیؔ، سلمانؔ، سرمدؔ، شانیؔ، شیداؔ، شوکتؔ، شرفؔ قزوینی، شوقیؔ، شکوہیؔ، شعیبؔ، شہرتؔ، شاہ شرف بوعلی قلندر، شائقؔ، شہیدؔ مولوی غلام احمد، نواب صدیقؔ حسن خان، صائبؔ، صبوریؔ، صادقؔ، اس کے بعد کے انتخاب میں حروف تہجی کی ترتیب باقی نہیں ہے، (تا ورق ۴۹ ا)

حافظؔ شیرازی کے ممدوح شاہ شجاع کے اشعار دو جگہ درج ہیں، ورق ۲۳ ا پر دو شعر ہیں

جان در طلب وصل تو شیدائی شد — دل در خم گیسوی تو سودائی شد

اندر طلب وصال تو گرد جہان — بیچارہ دلم بگشت و ہرجائی شد

ورق ۷۰ ا پر یہ مخمس شاہ شجاع کے نام سے درج ہے۔

چو باز فکرت من برکشود بال نظر — بیام شد رہ شدم زین رواق زمنظر

درین سراچۂ خاکی بخویم آبشخور — فراز قاف قناعت نگستر انم پر

کہ جز نشیمن سیمرغ نیستم درخور

عراقیؔ کی مشہور غزل عام روایت سے مختلف ہے، مثلاً

صنا دو قلندر سزد ار بمن نمائی — کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

عام روایت ہے، "پسرا رہ قلندر بزن از حریف مائی" الخ ورق ۱۲۹ مفتی صدرالدین آزردہؔ کے کچھ اشعار درج ہیں؛ چند یہاں نقل کئے جاتے ہیں،

---

[1] "شعری" میں "بشرارہ قلندر" درج ہے،

تو خود انصاف کن ای آشنا دشمن روا باشد — مرا از دو تو در پہلو ترا بیگانہ در پہلو

بایں تقوی درون میکدہ آزردہ زادیدم — صراحی در بغل ساغر بکف پیمانہ در پہلو

زاہد بیاد موت شہیدان عشق میں — کین موت را نہ زندگی جاودان رسد

طرفی لک از ملائک رحمت خورد بگوش — ہردم ندای ارجعی از آسمان رسد

آتش عشق فلک در دل و در جانم سوخت — زانکہ از داغ دگر دید کہ توانم سوخت

روز ہجران تو می سوخت مرا حسرت وصل — در شب وصل تو اندیشۂ ہجرانم سوخت

ہیچگہ چرخ جفا پیشہ نمی ساخت بمن — شکر ایزد کہ ز آہ شرر آنانم سوخت

رحمت از بہر عذابم مکش ای نار جحیم — کہ سراپاے مرا خجلت عصیانم سوخت

باز آن بستر خارست ہمان بالش سنگ — سر شوریدہ من زانوی بامانم سوخت...

جہانگیر بادشاہ کے حسب ذیل اشعار درج ہیں۔ (ورق ۳۰ ا)

ای آنکہ غم زمانہ پاکت خوردہ — اندوہ دل وسوسہ ناکت خوردہ

مانندۂ قطرہ ہای شبنم بزمین — جا گرم نکردہ کہ خاکت خوردہ

ہرکس بضمیر خود صفا خواہد داد — آئینۂ خویش را جلا خواہد داد

ہر جا کہ شکستۂ بود دستش گیر — بشنو کہ ہمیں کاسہ صدا خواہد داد

دل ہد مکن کہ عمر نماند بہ ہیچکس — این یک نفس کہ خوش گذرد بس غنیمت است

ما نامہ ببرگ گل نوشتیم — شاید کہ صبا بار رساند (ورق ۴۴ ا)

ہمایوں بادشاہ کے یہ تین شعر درج ہیں۔

گرچہ اندیشۂ من رشتۂ خام است ولے — مثل زنار بہ اندام دو عالم بستند

ہر زمان تازہ برے خوبترے می جویند — نقش خوبی کہ شکستند دگر کم بستند

عشق از لذت نظارہ بدیوار جہاں　　رختہ کردند وز آب وگل آدم بستند

نواب صدیق حسن خاں شوہر شاہجہاں بیگم والیۂ ریاست بھوپال کی ایک دلچسپ غزل نقل ہے۔ (۴۸ ب)

دل بردز من تاجورے شاہ شہانے　　لشکر شکنے تیغ کشے آفت جانے
خورشید وشے سیمبرے ماہ لقائے　　جادو نگہے کج کلہے جور نشانے
کے مرتبہ ناز زنے فتنہ پرستے　　پیمان شکنے جورگرے شور جہانے
در مملکت حسن شہ صدر نشینے　　در زمرۂ خوبانِ جہاں باج ستانے
ہاروت فنے ماہ رخ یوسف عذرے　　عیسیٰ نفسے خضر رہے سحر بیانے
غلماں روشے خلد وشے مست حیائے　　کوثر منشے آب بقا رطل گرانے
بیداد گرے عربدہ جو جور پسندے　　خاطر شکنے تیر قدے سخت کمانے
از حالت دل با تو چہ افسانہ سرایم　　شوریدہ سرے جور کشے خوار جہانے
مجنوں صفتے کوہ کنے خانہ بدوشے　　بے تاب دلے ریش تنے سوختہ جانے
نواب نخواہد کہ بہجر تو بمیرد　　اے جان جہاں وعدۂ وصلے دامانے

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین کی یہ رباعی امیر خسرو کے لیے ہے' (۶۰ ب)

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست　　ملک است ملک سخن آن خسرو راست
این خسرو ماست ناصر خسرو نیست　　زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

ورق ۵، ا پر حافظ کے یہ تین اشعار ہیں، جو دیوان ورق ۶، ب میں شامل نہیں،

مرغ دلم طائریست قدسی عرش آشیان　　از قفس تن ملول سیر شدہ از جہان
از در این خاکداں چوں بپرد مرغ ما　　باز نشیمن کند بر سر آن آشیان

چوں بمی پیر دزیں جہاں سدرہ بود جای او　　تکیہ گہ باز ما کنگرۂ عرش دان

ایک غیر معروف شاعرہ عصمت الدین شاہ عالم بنت قطب الدین محمد سلطان کرمانی کے چند شعر درج ہیں، قطب الدین محمد سلطان[1] قراختائیان خانوادے کا تیسرا بادشاہ تھا، جو اپنے چچا زاد بھائی رکن الدین مبارک کے بعد کرمان کا فرمانروا ہوا، اس نے اپنی چچی قتلغ ترکان سے نکاح کر لیا، اس سے ایک دانشمند لڑکی بادشاہ خاتون پیدا ہوئی، قتلغ ترکان خود بڑی مدبر تھی، بادشاہ خاتون اپنے بھائی جلال الدین سیورغتمش کو مقید کر کے خود ۶۹۱ھ میں کرمان کے تخت پر بیٹھی، ۶۹۴ھ میں بایدو کے حکم سے قتل ہو گئی، علم و ادب کی بڑی شوقین اور خود شاعرہ تھی، اس کے اشعار تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، عصمت الدین شاہ عالم بادشاہ خاتون کی بہن تھی، اس سے زیادہ عصمت الدین کے متعلق معلوم نہیں بہر حال اس بیاض میں حسب ذیل اشعار اس کی طرف منسوب ہیں، (ورق ۵، ب)

آں روز کہ در ازل نشانش کردند　　آسائش جان بیدلانش کردند
دعوی لب نگار می کرد نبات　　زان روی سہ چوب در دہانش کردند

بر لعل کہ دید ہرگز از مشک رقم　　یا غالیہ بر نوشش کجا کرد ستم
جاناں اثر خالِ سیہ بر لبِ تو　　تاریکی و آب زندگانی ست بہم

درون پردۂ عصمت کہ تکیہ گاہِ ست　　مسافران ہوا گذر بہ شواری است
نسیم باد مزن سر زیر مقنعۂ او　　کہ نار و پود وے از عصمت و نکوکاری است

این وغل و دوستان کہ می بینی　　مگسانند گرد شیرینی
تا طعامی ہست می نوشند　　ہمچو زنبور بر تو می جوشند
باز وقتی کہ دہ خراب شود　　کیسہ چون کاسۂ رباب شود

[1] دیکھیے تاریخ ادبیات در ایران از صفا جلد ۳ بخش ۱، ص ۶۵۸

ترکِ صحبت کنند دو لداری
دوستی خود نبود پنداری

حصۂ اردو | اردو حصہ ورق ۱۰۰ سے شروع ہو کر ۱۳۶ پر ختم ہو جاتا ہے، اس کی ترتیب میں کوئی خاص اصول مدنظر نہیں رکھا گیا ہے، اس میں حسب ذیل شعرا کا کلام انتخاب ہوا ہے،

اکبر، اقبال، مولانا محمود الحسن، اسماعیل، درد، امیر مینائی، میر، رند، سحر، جلیل میر مہدی مجروح، شیفتہ، زکی مرادآبادی، آتش، بقا، رند، شاد عظیم آبادی، وفا، امپوری (حکیم عبدالہادی)، حاتم، لکھمن لال فارغ بریلوی، محمد امان نثار، مصحفی، سودا، آشفتہ سعادت علی خان رنگین، شہیدی، ناسخ، داغ، منشی منیر جلال، بیدار، قلم لکھنوی، منتظر، گرد مصحفی، درویش، شمس الضحیٰ، اخگر، قائم، میر حسن، فغان، وفا، شہرت، عزیز لکھنوی، مجنوں، احسن اللہ خان ثاقب، محسن کاکوروی، میر تقی ہوس، غالب، جرأت، ذوق، مومن، انیس، امجد علی اشہری، سیماب اکبرآبادی، عبدالعلی آسی مدراسی، فیروزالدین لاہوری، شبلی، کیفی، صفی، مولانا آزاد سبحانی، ذیل میں بعض اشعار کی نشاندہی کی جاتی ہے، جو کسی نہ کسی اعتبار سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں،

مولانا محمود الحسن دیوبندی عظیم القدر شخصیت کے مالک ہیں، ان کی شاعری کے یہ نمونے اس بیاض میں درج ہیں،

قربِ جسمانی پہ ہے انکے تعلق کا مدار
قربِ روحانی سے ہیں یکدل و یکجا دونوں

ایک صورت ہو نظر آتے ہیں جسکے دو عکس
اک حقیقت ہو کہ ہیں جسکے یہ عنواں دونوں

ہشیار رہو عشق کی مستی سے بچو
عفریتِ ہوس کی چیرہ دستی سے بچو

غارت گر ایماں ہیں بتانِ طناز
مومن ہے اگر تو بت پرستی سے بچو

اکبرالہ آبادی کی حسب ذیل نظم نواب محسن الملک کی فرمائش پر کلکتہ کانفرنس کے لئے

لکھی گئی تھی،

مسلمانوں بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے
تمھارے کیا مدارج رہ گئے اسکی خبر کچھ ہو

اگر کچھ ہو تو سوچو دل میں بھی اسکا اثر کچھ ہو
حریفوں کی تعلّی باعث سوزِ جگر کچھ ہو

تمہیں معلوم ہے کچھ رہ گئی ہے کیا سے کیا ہو کر
کدھر آنکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر (دس بند)، ۹۹ ب-۸۰ الف

شاد عظیم آبادی کی یہ مترنم نظم ورق ۱۰۰ پر نقل ہوئی ہے۔

زے جور کا نہ کروں گلہ کہ تیغ سے کبھی اگر گلا
کروں وجد میں یہی میں صدا کہ انا الشہید بکربلا

ہو انور یار جو رخ ترا دلموع و جھک اعتلا
چمک اٹھے دشت و جبل و در متشعشا متنزلا

رہا مری جو سر نہاں مری نعش خاک میں ہو نہاں
لبِ زخم سے یہ کروں نہاں کہ انا القتیل مرسلا

مجھے ذوق ہو مئی وصل کا پہ نہیں عجول ہیں ساقیا
کہ یہ جام آئے گا مجھ تلک تری بزم میں متداولا

ترے دم سے اسکا رواج ہے ترا نازِ منفرد آج ہے
ترے سر پہ حسن کا تاج ہے متر صعا متکللا

نہ کروں جو عجز و فروتنی تو خود اپنے ساتھ ہے دشمنی
فلذا و جرأت من العدم و کذا استحق من العلا

ہے نگاہِ شوق میں متحد ترا کوچہ ہو کہ قتل گہ (احد)
تری جلوہ گاہ . . . جو بنی ہے یہ وہ کربلا

ہمیں شاد جس کا ہمت تھا وہ وہی پیش ہم آگیا الحذر
تمہیں کہتے تھے کہ امید سے نہ زیادہ رکھو خلا ملا

حکیم عبدالہادی وفا رامپوری کی یہ غزل انتخاب ہوئی ہے۔ (۱۰۰ ب)

اثر اس تلخ کامی کا رگ ذوقِ بیاں تک ہے
جسے دل میں چھپا رکھا تھا وہی کانٹا زباں تک ہے

ذرا بیٹھے رہو دشمن کی باتوں میں نہ آجانا
ہماری سخت جانی بھی قریبِ امتحاں تک ہے

کہاں یہ حسنِ سادہ اور کہاں دستِ حنا گیں
تکلّف بر طرف ہاں میری چشمِ خوں فشاں تک ہے

چھری چلتی ہو دشنہ تیز ہے آزاد بیٹھے ہو
یہ شانِ بے نیازی غمزہ ہائے جاں ستاں تک ہے

انھیں ذروں کو چھلتے جاؤ آخر برق نکلے گی
اسی بے پردگی سے سلسلہ راز نہاں تک ہو
ابھی اک ذرۂ فیض ہوائے شوق ہے باقی
وہ شمع کشتہ ہوں جسکا دھواں بھی آسماں تک ہے
کوئی اپنی زباں میں بلبل ہندوستاں ہوگا
مرے مضمون کا چرچا وفا اقلیم جاں تک ہے

بقا کی یہ غزل اس بیاض میں شامل ہے۔

عارض یار نہیں زلفِ پریشاں کے تلے
ہے نہاں صبح وطن شامِ غریباں کے تلے
کیا کروں سینہ جو ناصح سے چھپائے نہ پھروں
داغ سو داغ ہیں کچھ میرے گریباں کے تلے
آہ کی برق جو سینے میں چمکتی دیکھی
طفل اشک آہی چھپے دامنِ مژگاں کے تلے
یوں نہاں داغ جگر اس سینے میں رکھتا ہوں کہ
باد سے شمع چھپا دے کوئی داماں کے تلے
نہیں ملنے کی بقا ہم کو بجز کنج مزار
جائے آسودگی اس گنبد گرداں کے تلے
(۱۰۱ ب)

بیدار کی یہ غزل قابلِ توجہ ہے۔

جانیں مشتاقوں کی لب پر آئیاں
بے ظالم تیری بے پروائیاں
صبح ہونے آئی رات آخر ہوئی
بس کہاں تک شوخیاں مچلائیاں
اس سمن اندام گل رخسار کی
جانفزا نکہت چرا کر لائیاں
سن کے یہ باد صبا نے باغ میں
گٹھریاں غنچوں کی سب کھلوائیاں
دیکھتے ہی اس کے شیدا ہو گیا
کیا ہوئیں بیدار وہ دانائیاں (ورق ۱۰۴ ا)

بیدار نے قائم کی غزل پر یہ مخمس لکھا تھا۔

میخانۂ عشق میں گزر کر
پی بادۂ شوق جام بھر کر
کب تک یہی ہوں چشم تر کر
بے شغل نہ زندگی بسر کر
گر اشک نہیں تو آہ سر کر

ہاں چھوڑ کے شاہی و وزیری
کرتے ہیں جو مرد ہیں، فقیری
بیکار ہے خواہش امیری
دے طول امل نہ وقت پیری
شب تھوڑی ہے قصہ مختصر کر

صہبائے فنا جنھوں نے پی تھی
تحقیق یہ بات انھوں نے کی تھی
آخر دیکھی جو کچھ سنی تھی
کچھ طرفہ مرض یہ زندگی تھی
اس سے جو کوئی جیا سو مر کر

غافل ہے تو حال سے ہمارے
لوگ آئے ہیں دیکھنے کو سارے
آرایشِ حسن رکھ کنارے
کیا دیکھے ہے آئینے کو پیارے
ایدھر بھی تو ایکدم نظر کر

اگلے گئے چھوڑ کر نہ اے دل
کام آئے یہ بام و در نہ اے دل
بیدار کی ریس کر نہ اے دل
تعمیر یہ گھر کی مر نہ اے دل
قائم کی طرح دلوں میں گھر کر
(ورق ۱۰۵ الف)

سودا نے حزیں کے دو اشعار کا ترجمہ کیا ہے، (۱۰۵ ب)

تیرے چو توزہ کرد کمانے بہ کمینے
صیدے کہ نہ آسود زمانے بہ زمینے — حزیں
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں — سودا

سودا نے حزیں کے شعر پر بہت اضافہ کر کے مطلب کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔

ظالم بیا ببیں کہ درین انتظار ما
نرگس شگفتہ است بلوح مزار ما — حزیں
ظالم تو آکے دیکھ مرے انتظار کو
نرگس نے چھا لیا ہے ہمارے مزار کو — سودا

سودا نے محض لفظی ترجمہ کر دیا ہے، اس ترجمے میں کوئی خاص بات نہیں، البتہ غالب دہلوی نے بھی مضمون اس بیت میں نہایت خوبصورتی سے باندھا ہے۔

دمید دانہ و بالید و آشیانگہ شد
در انتظار ہما دانہ چیدنم بنگر

عزیز لکھنوی کی منجملہ اور غزلوں کے یہ غزل منتخب ہوئی ہے۔

یہ طاق ابرو یہ روئے انور   اللہ اکبر اللہ اکبر

یہ کبریائی یہ خود نمائی   یہ دلربائی ہے ختم تجھ پر

صد سینہ خوں شد از گریۂ ما   تا کہ تغافل اے ترک دلبر

ضبط شکایت آخر کہاں تک   اے بت خدارا اب آشتی کر

دارد خرابم ہر دم عزیزا   شوخے حسینے ترک ستمگر (۱۰۷ الف)

شمس الضحیٰ اخگر کی حسب ذیل غزل قابل ذکر ہے۔ (۱۰۸ الف)

راحت کی ہیں تدبیریں کیا عقل ہے دیوانی   زندانیٔ دنیا کو امید تن آسانی

دل ہے نہ جگر باقی حسرت ہے نہ ہے ارماں   کیا قہر کیا تو نے اے سوزشِ پنہانی

بدنام عبث گردوں ایام عبث رسوا   ہر ظلم کے تم موجد ہر جور کے تم بانی

ہم داور محشر سے گر کہتے تو کیا کہتے   تھا وقت بہت تھوڑا اور قصہ تھا طولانی

کچھ سوچ سمجھ کر ہم صحرا سے پلٹ آئے   تنہائی میں گھبراتی گھر میں مری ویرانی

اپنا جسے ہم سمجھے تھا غیر سے وہ بدتر   اور دوست جسے جانا دشمن تھا وہ جانی

گو مر گیا اخگر بھی کیا رنج نہیں اس کا   اس عشق نے کر ڈالا کس کس کا لہو پانی (۱۰۸ ق)

غالب کی حسب ذیل غزل غیر مطبوعہ قرار دی گئی ہے۔

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں   میں دشت غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں

ہوں دردمند جبر ہو یا اختیار ہو   گہ نالۂ کشیدہ گہ اشک چکیدہ ہوں

نے سبحہ سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ   میں معرض مثال میں دست بریدہ ہوں

ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ   نے دانۂ فتادہ ہوں نے دام چیدہ ہوں

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ   ہوں میں کلام نغز ولے ناشنیدہ ہوں

اہل ورع کے حلقے میں ہر چند ہوں ذلیل   پر عاصیوں کے زمرے میں میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد   ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں (۱۱۰ ق)

مولانا کرامت علی شہیدی لکھنوی کا پورا نعتیہ قصیدہ درج ہے، جس کا مطلع یہ ہے۔

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا   سر دیوان لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا (۱۱۱ الف)

انیس کا حسب ذیل منظومہ غزل کے عنوان سے درج ہے

وہ ہنستے آئے یہاں سو ہمیں رلا کے چلے   نہ بیٹھے آپ مگر درد دل اٹھا کے چلے (۱۱۲ ب)

نواب محسن الملک کی وفات[1] (۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء) پر مولانا امجد علی اشہری نے ایک مرثیہ لکھا تھا اس کو اختصاراً یہاں درج کیا جاتا ہے۔

ہجری کا شجر باغ سے سید کے قلم ہے   جو ہاتھ ہے شنجرف ہے یاقوت رقم ہے

جاں لب پہ ہے لب ہلتے ہیں مشتاق ارم ہے   دنیائے دنی سے سفر ملک عدم ہے

بی بی ہے نہ بھائی نہ عزیز و رفقا ہیں

اس وقت کے جو حرف ہیں وہ ہوشربا ہیں

رخ سرخ ہوا بادۂ احمر کے سبب سے   ہے بے کسی و یاس گھڑی پاس ادب سے

اب قطع تعلق ہے دل جاہ طلب سے   نزدیک قضا اس کے ہے ڈر دور ہے سب سے

شملہ پہ ہے منبر سر پہ قضا طول مرض ہے

کالج سے تعلق نہ علی گڑھ سے غرض ہے

معلوم ہوا جب اسے اب پاس ہے رحلت   اور پاس نہیں کوئی یہاں جز غم و حسرت

تب با غم و اندوہ بہ انداز محرمت   سردار علی خاں سے کیا راز وصیت

فرمایا اٹاوہ کو مری نعش رواں ہو

واں دفن قریب پدر خلد مکاں ہو

[1] عبدالعلی آسی کے قطعے میں ۱۶ - اکتوبر درج ہے اور غالباً اکتوبر ہی صحیح ہے۔

لہراتا ہے تابوت پہ دامانِ شفاعت پہلے سے ہو مہدی کے لیے داورِ جنت
خدام ہیں صف بستہ کھڑے باغم وحسرت شملہ کے مسلماں ہیں کمر بستہ خدمت

اب ڈاک پہ تابوت رواں ہوتا ہو دم میں
ہستی کو لیے آتی ہے آغوشِ عدم میں

شملہ پہ گری برق مصیبت ہو ستم کی بجلی نے خبر تار پہ بھیجی ہے عدم کی
امڈے ہوے بادل میں گھٹا چھائی ہو غم کی احباب میں کچھ حد نہیں اس رنج والم کی

اردو کی صدا خاطرِ مغموم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

القصہ اٹاوہ کو ہوئی نعش روانہ ہر ایک کا دل تیرِ الم کا تھا نشانہ
آئی تھی اجل ان کی مرض کا تھا بہانہ تاریخ میں مذکور رہے گا یہ فسانہ

پہنچی جو علی گڈھ میں تو ایک جوش تھا سب کو
بھولے ہوئے اس جوش میں تھے رنج وتعب کو

مشتاق نے ظاہر کیا اشفاق کو اپنے اشفاق نے بھی پالیا مشتاق کو اپنے
ظاہر کیا احباب نے اخلاق کو اپنے آراستہ حجرہ نے کیا طاق کو اپنے

سید کے برابر ہی ہیں مدفن ہوا اس کا
گلزار علی گڑھ میں نشیمن ہوا اس کا۔

لیکن نہ ہوا حسبِ وصیت یہ سرانجام افسوس اٹاوہ نے نہ پایا شرف نام
جو خاص محل تھا وہ ہوا وقف رہ عام خالی رہے مہدی کی سرہیرے کے در وبام

مہدی نے نہ جا روضۂ عباس میں پائی
بھائی کے قریب دفن ہوا آہ نہ بھائی

پہنچی وانڈور میں دو بھائی ہیں ان کے ہیں ایک امیر ایک علی وجہ حسن کے
وہ مدفن مہدی پس از دفن تھے پہنچے دل تھام کے تا دیر رہے فاتحہ پڑھتے

اب فاتحہ پڑھنے کے سوا کچھ نہ رہا تھا
موقع بھی نہ اسکا تھا جو محسن نے کہا تھا

شمس العلما شبلی نعمانی وحالی پھر ہوں سخن آرائے مضامین خیالی
طوبی میں لگا آئیں نئے رنگ کی ڈالی ہوں دنگ جسے دیکھ کے فردوس کے مالی

فردوس میں غل ہو نہیں دیکھی قلم ایسی
طوبی کے ملتی نہیں شاخیں بہم ایسی

اے خلد علی گڑھ ترا آدم ہوا رخصت پنجاب ترا قبلۂ عالم ہوا رخصت
بنگال ترا مونس وہمدم ہوا رخصت مدراس ترا مصلح اعظم ہوا رخصت

اے دہلی ولاہور عزادار بہم ہو
اے لکھنو وآگرہ مصروف الم ہو

جو سرو تھا اس باغ کا وہ آج رواں ہے گلزار علی باغ حسن وقف خزاں ہے
رنگینی رخ سرخی عارض سے عیاں ہے خوں قوم کے بچوں کے لیے جوش زناں ہے

گلگونہ ملا چہرے پہ ہے رنگ شفق کا
ہوتا ہے گماں چہرے پہ سونے کے طبق کا

پیدا ہوئی تہذیب کی جب روشنی نو اس کے رخ روشن سے ملی قوم کو یہ ضو
پھیلا در ودیوار پہ اس ماہ کا پرتو اک شمع فسردہ نے نئی طرح سے دی لو

سید کا مصاحب رہا وہ شادی وغم میں

دہ آپ نظیر اپنا تھا احسان و کرم میں

ای اشرفی سوختہ جاں ضبط فغاں کر — جو ہونا تھا وہ ہوگیا اب ختم بیاں کر

مرحوم کے حق میں طلب قصر جناں کر — خاموشی تقریر کو اب قفل دہاں کر

جو روز گیا پھر کے وہ اب دن نہیں آتا

پھر لوٹ کے اب قوم کا محسن نہیں آتا (۱۱۱۳ - ۱۱۱۵)

نواب محسن الملک کی وفات پر مولانا عبدالعلی آسی مدراسی نے ایک طویل تاریخی مرثیہ ۴۴ بند پر مشتمل رامپور میں لکھا تھا، اس کی اہمیت کے پیش نظر چند بند ناظرین کی خدمت میں پیش ہیں۔ (ورق ۱۱۵ ب - ۱۱۹ ب)

ہائے دنیا نہیں ہے جائے ثبات — وائے اس کی حیات میں ہے ممات

عیش دنیائے دوں ہے دو دن کا — وہ بھی یا صبح شام یا دن رات

أیّ عیش ہنا و عیش ألیش

إنما العیش عیشة الجنات

نفس کی شہوتوں سے باز آؤ — حرص و آز و ہوا ہیں سب شہوات

جو ہیں دنیا کی سرزمیں پر شہر — ہیں وہ چرخ کہن کے نیرنجات

فاترکوا کل ما بہ شر

بل خذوا جل ما بہ خیرات

جو ہیں دنیا میں جی وہ میت ہیں — ہیں سب احیا حقیقتاً اموات

مگر اللہ حی اور قیوم — ہے اسی کی ہمیشہ باقی ذات

أیّ حیّ حیاتہ تخلا

أیّ نفس مماتہا ثم یات

ایک دن جائے گی بدن سے روح — ایک دن آئے گی اسے سکرات

ایسے جینے پہ مرتے ہیں افسوس — ایسے مرنے پہ جیتے ہیں ہیہات

نبهوا النفس أيها الخلان

بجفات النفوس والنسمات

جو ہیں انجام بین و دور اندیش — موت کو یاد کرتے ہیں دن رات

بس انھیں کے لیے نبی نے کہا — ان پہ نازل ہو افضل الصلوات

وهو هذا الحديث موزونا

أكثروا ذكر هادم اللذات

کیا ہی بہتر ہے پند میں یہ حدیث — بہترین مواعظ و خطبات

غافلو اب تو چونک جاؤ ذرا — رکھو ہر دم زباں پہ ذکر ممات

واعلموا أنكم من الموتى

ما لك كل و مكن بالذات

موت جانو قیامت صغرا — قبر کو سمجھو عرصہ عرصات

دم میں جو دم ہے وہ غنیمت ہے — دم کو اک دم کا بھی نہیں ہے ثبات

إن أنفاسكم معيرة

إنها بالعداد معدودات

فانی ہوتے ہیں یا دم بدم یہ دم — دھوپ سے جیسے شبنمی قطرات

ساری دنیا کی زندگی کا شمار — دو ہے یا پانچ دن ہے یا ہے رات

كل يوم ثمر أعمارنا

من مرور الشهور والسنوات

غفلت اک روز کی نہیں اچھی — موت ہر دم لگا رہی ہے گھات
اس سے بازی نہ پا سکو گے تم — بلکہ دے گی یہ موت اک دن مات

اَیُّهَا الغَافِلُونَ قَد نِمتُم
اَنقِذُوا انفُسَکُم مِنَ الغَفَلَات

سمجھو ہر دم کو واپسیں ہر دم — کیا بھروسا ہو دم کا اے حضرات
دیکھو دم بھر میں سرخ بادہ سے — محسن الملک چل بسے ہیہات

وَابتُوسَاهُ ثُمَّ وَاسفاه
آوہ قال الاناسِ والجنات

چارشنبہ کو دن کے پانچ بجے — ہوا لبریز ان کا جام حیات
قبل مغرب ہوا غروب وہ شمس — مغرب کو شملہ میں ہیہات

لم یوخره موته اجلاً
لم یزد ساعةً من الساعات

آہ افسوس صد ہزار افسوس — نہیں ممکن اعادۂ مافات
غم کی ظلمت سے رات تھا دن — اور قیامت کے دن کی تھی وہ رات

یَومُهُ کانَ لیلةً لیلاً
لیلهُ کانَ ظلمةَ الحسرات

انگریزی تھی سولھویں تاریخ — ماہ اکتوبر اور سن تھا سات
ماہ رمضاں کی ساتویں تاریخ — بست و پنجم سنین ہجریات

ہو خیر الشہور فی الاشہر
ہی خیر السنین فی السنوات

طاق تاریخ اور سن بھی طاق — اور بھی طاق ..... طاعات
ہفتہ بھی طاق اور دن بھی طاق — اور بھی طاق جملہ معدودات

انّ ربّ الوریٰ یحب الوتر
انّه حسنٌ محسن الحسنات

جب علی گڑھ میں نعش لائی گئی — ہوئے حاضر وہاں کے سب حضرات
بعد جمعہ قریب سرسید — دفن ان کو کیا بصد حسرات

فهما سیدان قد جمعا
بعد موتٍ کما هما بحیات

دس برس بعد سید احمد کے — چھلکا مہدی علی کا جام حیات
غُفر لہ ہے ان کا سال وصال ۱۳۱۵ھ — یغفر لہ ہے ان کا سال وفات ۱۳۲۵ھ

فهما فی الحیات قد غفرا
وهما یغفران فی العرصات

ایک جا متحد حیات میں تھے — اسے کہتے ہیں اتحاد حیات
اب ہوئے متفق ممات میں بھی — اسے کہتے ہیں اتفاق ممات

دُفنا فی احاطة الکالج
من محاط المحیط للتبرکات

آہ کرتے تھے سب بڑے چھوٹے — روتے تھے سب ذکور و مستورات
کوئی کہتا تھا ہائے صد افسوس — کوئی کہتا تھا وای صد ہیہات

لهف الناس کلهم لهفاً
وجرت من عیونهم عبرات

ان کے مرنے سے مرگئے طلبات — کیا کچھ ان کے دلوں پہ ہیں صدمات

کون اب ان کا محسن و مشفق — کون اب انکا مرجع حاجات

ای من مبثلہ قد اعطاہم

کلّ وقتٍ من الضروریات

اک غریب الوطن تھا طالب علم — تھے انھیں پہ سب اس کے اخراجات

مگر اخفا سے اس کو دیتے تھے — اس کو کہتے ہیں بے ریا خدمات...

کل شہر بغیر اظہار

کان یعطیہ عشرۃ ہبات

ہیں کمالات بیشمار ان کے — حد سے زاید ہیں ان کی تعریفات

ان کے اوصاف سے ہے ناطقہ لال — بہتر اس جا ہے نطق سے اسکات

خرست عن بیانہ لسنی

عجزت عن مدیحہ اثبات

الغرض جب زبان و دل نے کہا — ذکر تاریخ و فکر راہ نجات

پوچھا رضوان سے سن کو آسی نے — کہا دو حبل سے سال وفات

رضی اللہ عنہ احسانا ۱۳۲۵ھ

جاء ہذا الدعاء من ارخات

روز رحلت تھا ہفتمیں رمضان — رحلت ان کی ہوئی سوئے جنات

کیونکہ ماہ صیام ہی ہر روز — وا تھے در ہای روضۂ نعمات

قلنا قال ارخہ رضوان

سابقا کان داخل الجنات ۱۳۲۵ھ

محسن الملک کا تھا محسن وصف — محسن الملک کی تھی محسن ذات

سال محسن بھی ایسا محسن ہو — جس سے محسن کے ہوں عیاں حسنات

قلتُ من وجہ جبق ارخا

محسن الملک مات بالحسنات

پھر ہوئی دل میں فکر اس سن کی — جس سے ظاہر ہوں عیسوی سنوات

صوری و معنوی بھی ہوتا ریخ — کہ یہ صنعت ہے احسن الصنعات

محسن الملک مات فی الرمضان

آہ ارخت ارخ من موات

چونکہ ہیں چار حرف محسن میں — اس لیے بھی آئے چار سال وفات

ان پہ نازل ہو رحمت یزداں — ابر غفران ہو ان پہ ہو برسات

رب ادخلہ جنۃ الماوی

خالصا فی القصور و الغرفات

یارب آسی کی یہ دعا ہو قبول — بطفیل شفیع جملہ عصاۃ

تو ہی سب کی دعائیں سنتا ہے — تو ہی سب کا ہے مرجع دعوات

رب احسن الیہ احسانا

انت یا محسن محسن الحسنات (۱۱۹ ب)

اکبر الہ آبادی کی وہ مشہور غزل جو اکثر گائی جاتی ہے، اس بیاض میں پوری نقل ہے، اس کا مطلع یہ ہے۔

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے — ڈاکا تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے

علامہ شبلی نعمانی کی متعدد تاریخی نظمیں درج ہیں منجملہ ان کے یہ نظم بھی ہے۔

کبھی ہم نے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پر — مگر وہ حکمرانی جس کا سکہ جان و دل پر تھا

قرابت راجگان ہند سے اکبر نے جب چاہی — کہ یہ رشتہ عروس کشور آرائی کا زیور تھا الخ

(ورق ۱۲۶)

شہدائے دہلی کی یاد میں بہ سلسلہ واقعات ماہ اپریل ۱۹ء

بہت سے ہم نے دیکھے انقلاب آسماں برسوں — رہی صرف سموم جاں ستاں یہ شمع جاں برسوں

قیامت خیز ہنگاموں کی کتنی بزم دنیا میں — سنی ہے گوش عبرت آشنا نے داستاں برسوں

ہزاروں عیش گاہیں ہم نے دیکھیں نذر تاراجی — کہ جن کی یاد میں رویا کئے اہل جہاں برسوں

مگر اس عہد نو میں آج وہ انصاف دیکھا ہے — کہ پچھتائے گی خود اس پر بلائے ناگہاں برسوں

عجب کیا ہے جو کانپی ہیبت ہنگامہ سن کر — وہ روح نادر و تیمور زیر خاکداں برسوں

شہیدان وطن کا جان دے دینا صداقت پر — رہے گی یاد اے دہلی تجھے یہ داستاں برسوں

(ورق ۱۲۷)

کیفی کی یہ نظم ۱۹۲۰ء کی ہے (ملخصاً)

جب تک کہ یہ تار تھا نفس کا — کھٹکا رہا دام اور قفس کا

جب آ گیا وقت سرفروشی — پروا ہوا نالش بوالہوس کا

جب دار پہ آ گیا تو حق کہہ — اب وقت نہیں ہے پیش و پس کا

آنا ہو تو راہ دیکھ لینا — رہرو سے یہ شور ہے جرس کا

ہر سانس پہ ہے نگاہ ان کی — مرنا بھی نہیں ہے اپنے بس کا

گاندھی کا پیام سننے والو — اب توڑ دو طلسم پیش و پس کا

کیسے مسلم کہاں کے ہندو — ہے ایک ہی تار ہر نفس کا

گھٹتا رہے جوش فرقہ بندی — بڑھتا رہے زور کانگرس کا

کچھ پوچھ نہ حال زار کیفی — مہماں ہے چند ہی نفس کا (ورق ۱۲۸)

اقبال کے ترانے پر کسی شاعر تیغ تخلص نے تضمین کی ہے، پہلا بند یہ ہے۔

سرشار حریت ہے ہر نوجواں ہمارا — یاد خیر اب آیا اگلا بیاں ہمارا

اسلام نے کیا ہے پلہ گراں ہمارا — دعویٰ ہے اس زمیں پہ آسماں ہمارا

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا (ورق ۱۲۹)

فریاد امت عاصی کے نام سے ۱۹۲۰ء میں سیماب اکبرآبادی نے جو طویل مسدس لکھا تھا وہ یہاں درج ہے، اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

ہاں اے کشمکش غم میں مٹا جاتا ہوں — میں ترے کاہش بیہم سے گھلا جاتا ہوں

تا در سید لولاک لما جاتا ہوں — لے کے دربار رسالت میں گلا جاتا ہوں

شنوا ابھی نہ سنے نا شنوا ابھی نہ سنے

میری فریاد کے لفظوں کو خدا ابھی نہ سنے (ورق ۱۳۰)

اس کے فوراً بعد صفی لکھنوی کی مشہور نظم ہے، ۱۹۲۰ء ہی میں نظم ہوئی تھی

زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو ہلا دیں گے — مشرق کا سرا اٹھا کر مغرب سے ملا دیں گے

(ورق ۱۳۴)

مولانا آزاد سبحانی بڑے مجاہد و سرفروش تھے، ان کی شاعری کا نمونہ اس بیاض میں درج ہے، قارئین کرام کی خدمت میں اس کو پیش کیا جاتا ہے۔

زلف سیہ کھلی ہوئی اس پہ یہ مسکراہٹیں — برق جہندہ ہے تپاں پہلوئے کوہسار میں

چاندنی رات باغ گل مے اور کنار آب جو — دیدہ انتظار ہیں آپ کے انتظار میں

چاند تھا آسمان پر وہ تھے زمیں پہ بے نقاب — تو رنے لئے تھے رات دونوں جہاں کنار میں

حاحت چنگ و نے نہیں خودہی تو باز ساز جو سیکڑوں نغمے ہیں ہر بن مو کے تار میں
بزم سرود و رقص میں ساز کچھ اس طرح بجا روح ازل کو وجد تھا محفل ساز گار میں
پھونک دیا زمانے کو لک مرے سوز قلب نے آگ جہاں بھڑک گئی تھی چھوٹے سے اس شرار میں
لاکھ گلہ سہی مگر توڑ سکو دف غلط زور اس غضب کا ہے حسن جفا شعار میں
روئے نگار چھپ گیا کاکل مشکبار میں

اس کے فوراً بعد اقبال کے ترانے پر تضمین ہے بخوبی ممکن ہے کہ یہ بھی مولانا ہی کی ہو چند بیت ہدیہ ناظرین ہیں۔

مومن ہیں اس لیئے ہے باغ جناں ہمارا دنیا ہے ساتھ ہردم دور زماں ہمارا
یعنی زمیں ہماری اور آسماں ہمارا چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اسلام کی صداقت سینوں میں ہے ہمارے ایمان کی محبت سینوں میں ہے ہمارے
حب النبی ودیعت سینوں میں ہو ہمارے توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام ونشاں ہمارا

سوزِ اذان مغرب رجزِ وغا ہے گویا صف بندئی جماعت طرز غزا ہے گویا
آئین شرع ساقی اک رہنما ہے گویا اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

آخری نظم نامکمل ہے، اس کا تعلق دیوبند کے کسی حادثے سے ہے، اس میں صرف پانچ شعر ہیں جو اخبار اجتماع سہارنپور ۱۹ نومبر ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئے تھے، پھر مدینہ بجنور میں اور وہیں سے اس بیاض میں نقل ہوئے، وہ شعر یہ ہیں'

آج احساس تاثر سے جگر زخمی ہے چاک ہے دامن دل تار نظر زخمی ہے

جو کس شان سے اٹھتا تھا وہ سر زخمی ہے آج اسلام کا ہر فرد وبشر زخمی ہے
آج توہین وملامت کا نشانہ ہوں میں آج نیرنگ زمانہ سے تماشا ہوں میں
آج افسردہ نظر آتے ہیں حفظ الرحمان ہاں وہی شیر نہ چھوڑا کبھی جس نے میدان
آج حسین احمد وآزاد کا آنسو ہوں میں کسی ناکام وفا کا تہی پہلو ہوں میں

آخر میں املا کی چند خصوصیات کے ذکر پر یہ گفتگو ختم کی جاتی ہے،

اس بیاض میں دو تین طرح کے قلم وسیاہی کا استعمال ہوا ہے، اکثر خط ریز ہے، یائے مجہول کے استعمال کا مکمل اہتمام نہیں ہوا، لفظوں کو ملا کر رکھنے کا عمومی میلان ہے، (ہ) جو لفظ کے شروع میں آئی ہے، اس میں لٹکن کے نہ لانے سے لفظ کی قرأت دشوار ہو گئی ہے، بھ۔ پھ۔ تھ۔ کھ وغیرہ کے بجائے بہ، پہ، تہ، کہ وغیرہ آئے ہیں، تماشا کا املا تماشہ بھی ملتا ہے، باالله" کی طرح کے الفاظ میں ایک" الف" زائد ہے یہاں تک عربی عبارت میں بھی یہی صورت نظر آتی ہے، اگر رنا میں" ڑ" کا استعمال ہوا ہے،

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر چہ یہ بیاض بہت حال کی ہے، اور اس لحاظ سے بہت اہم نہیں سمجھی جا سکتی، لیکن اس کی اہمیت اس میں ہے کہ اس کے ذریعہ بعض نیا کلام دستیاب ہو جاتا ہے، اور اسی اعتبار سے بیاضیں اہم ماخذ کا کام دیتی ہیں، بیاض کے مرتب خود صاحبِ علم وفضل تھے، چنانچہ یہ بیاض ان کی شخصیت کے اس پہلو پر پوری طرح روشنی ڈالتی ہے،

کلیات شبلی اردو

اس میں مولانا شبلیؒ کا تمام اردو کلام آگیا ہے، جس میں قصائد، نظمیں، قطعات وغیرہ بھی شامل ہیں۔

(زیر طبع)

وفیات

آہ! جناب نیاز احمد صدیقی

اسی مہینہ یعنی مارچ ۱۹۸۳ء میں جناب نیاز احمد صدیقی تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوئے، وہ کوئی ادیب، شاعر، نقاد اور مصنف نہ تھے، شروع سے آخر تک انگریزی زبان کے قابل قدر استاد رہے، وطن مریاہو ضلع جونپور تھا، اردو زبان کے مایۂ ناز ادیب اور نقاد جناب رشید احمد صدیقی کے چھوٹے بھائی تھے، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے ام اے، ایل ایل بی اور بی ٹی کی ڈگریاں حاصل کرکے شبلی اسکول اعظم گڈھ میں انگریزی کے استاد ہوئے، پھر جب یہ اسکول انٹر اور ڈگری کالج بنا، تو اس کے انگریزی کے لکچرر مقرر کئے گئے، آخر میں محمد حسن انٹر کالج کے پرنسپل بنے، وہاں سے رٹائر ہونے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کچھ دنوں انگریزی پڑھاتے رہے، یہی ان کی زندگی کی مختصر روداد ہے، مگر وہ ان چند شریف انسانوں میں تھے، جو حدیث سوز و ساز زندگی کے حامل، اخوت کے بیان اور محبت کی زبان بن کر اپنے گھر والوں، دوستوں اور معاصروں کے ساتھ رہے، اپنی اس طویل زندگی کے سولہ برس دارالمصنفین کے احاطہ میں گذارے، اور اس کے شب و روز کو پر کیف بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، کوئی مسئلہ ہوتا، کوئی نازک وقت آتا، یا کوئی تقریب ہوتی، تو ہر موقع پر اپنے مخلصانہ، مشفقانہ اور ناصحانہ مشوروں سے سب کی دلداری، دلنوازی اور رہنمائی کرتے، وہ یہاں کی زندگی کے جزو لاینفک ہو گئے تھے، اپنے شریفانہ برتاؤ، اخلاقی بلندی اور روزمرہ کی زندگی کے لین دین کی طہارت اور صفائے باطنی میں قرون اولیٰ کی روایت کو تازہ کرتے، ان کی پاک اور طاہر زندگی پر اس وقت رشک آتا جب دارالمصنفین کے احاطہ کے اندر بعض لوگوں کی زبان سے یہ سننے میں آتا کہ ایک صحابی

کی زندگی ایسی ہی رہی ہوگی،

اس احاطہ میں کوئی بھی بیمار پڑ جاتا تو اس کی تیمارداری کرنے میں مریض پر احسان کیا کرتے بلکہ مریض کے احسان کے بار سے دبے جاتے، کہ اس نے ان کو خدمت کرنے کا موقع دیا، اس کیلئے رات کو چپکے چپکے جاگتے رہتے، اگر انہیں مریض کی آنکھ کھل جانے کا ذرا بھی اندیشہ ہوتا تو آنکھ موند کر بظاہر سو جاتے کہ کہیں اس کو اس خیال سے تکلیف نہ ہو کہ وہ اس کے لئے جاگ رہے ہیں، وہ دوستوں کے لئے تحفے لاتے اور ان کے بستر کے سرہانے میں اس طرح رکھ دیتے کہ پتہ چلانا مشکل ہو جاتا کہ یہ کس نے لاکر رکھا ہے، تہجد کی نمازیں برابر پڑھتے رہے، اگر گھر کے لوگ یا ان کا کوئی ہمراز یا ہمدم ان کو رات کے آخری پہر میں تہجد پڑھتے کبھی دیکھ لیتا تو وہ سوگوار ہو جاتے کہ ان کی عفت آبی، عصمت بری اور دل کی پاکی پر حرف آگیا، باتیں کرتے تو نرم دم گفتگو کی اعلیٰ مثال پیش کرتے، دوستوں کی صحبت میں بیٹھتے تو ان کی ہر ادا دلفریب نظر آتی، رشتہ داروں کے ساتھ ہوتے تو ان کی ہر نگاہ دلنواز معلوم ہوتی، مشورے دیتے تو ان کا ہر مشورہ کارآفریں، کارکشا، اور کارساز ہوتا، وہ اپنے بڑے بھائی رشید احمد صدیقی کے پاس مودب بیٹھتے تو جناب رشید احمد صدیقی محسوس کرتے کہ ان کے سامنے محبت و اخلاص کی ایک جوئے شیر بہہ رہی ہے،

شبلی اسکول کو انٹر کالج اور ڈگری کالج بنانے میں اس کے پرنسپل جناب بشیر احمد صدیقی مرحوم کی ہم نفسی، دمسازی اور غمخواری کا جو حق ادا کیا، وہ اس زمانہ کی ایک اعلیٰ مثال تھی، پھر جونپور کے محمد حسن انٹر کالج کو حسن ظاہری اور معنوی خوبیوں سے اپنے رفقائے کار سے مل کر آراستہ کیا، وہ اس کی تاریخ کا زریں باب رہے گا، کوئی طالب علم بھی ان کی خشمگیں آنکھوں اور قہرناک باتوں کا شاکی نہیں ہوا، طلبہ اپنی ناروا اور نازیبا حرکتوں کے بعد ان سے ملتے تو ان کو اپنے سامنے خجل اور ذلیل پاتے، وہ جھک کر سربلند ہونا اور مفتوح ہو کر فاتح بننا جانتے تھے،

وہ جا چکے، مگر ایک شفیق شوہر، ایک دلنواز باپ، ایک جان نثار بھائی، ایک چہیتے بزرگ، ایک بے مثال استاد اور ایک انتہائی شریف النفس دوست کا اعلیٰ نمونہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے، خدا جانے اپنی کن کن باتوں کے عطر مجموعہ سے اپنی یادوں کی شامہ نوازی کرتے رہیں گے، اللہ تبارک تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نعیم عطا کریں (آمین) "ص ۔ ع"

فارم ۱۷

دیکھو رول نمبر ۸

معارف پریس اعظم گڈھ،

نام مقام اشاعت	دار المصنفین اعظم گڈھ
نوعیتِ اشاعت	ماہانہ
نام پرنٹر	سید اقبال احمد
قومیت	ہندوستانی
پتہ :۔	دار المصنفین اعظم گڈھ
نام پبلشر	" " "
قومیت	ہندوستانی
پتہ	دار المصنفین اعظم گڈھ
اڈیٹر	سید صباح الدین عبد الرحمن
قومیت	ہندوستانی
پتہ	دار المصنفین اعظم گڈھ
نام و پتہ مالک رسالہ	" " "

میں سید اقبال احمد تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح و سچ ہیں

سید اقبال احمد

مطبوعاتِ جدیدہ

شیعہ اور قرآن معروف بہ تنبیہ الحائرین } مرتبہ مولانا عبد الشکور فاروقیؒ، تقطیع کلاں، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۵۵، مجلد مع گردپوش، قیمت بارہ روپے،

پتے (۱) مکتبہ فاروقیہ ۲۲۰/۵۰ دریائی ٹولہ لکھنؤ (۲) مکتبہ البدر دار العلوم فاروقیہ کاکوری لکھنؤ

مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنویؒ ممتاز علما میں تھے، رد شیعیت ان کا خاص مشن تھا، یہ کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے، جو پنجاب کے ایک شیعی عالم مولانا سید علی حائری کے جواب میں لکھی گئی تھی، اور پہلے قسط وار رسالۂ النجم میں شائع ہوئی تھی، پھر اس کے کتابی صورت میں متعدد اڈیشن چھپے، یہ نیا اڈیشن ہے، اس میں شیعوں کے متعدد اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے لیکن اس کی زیادہ اہم بحثیں دو ہیں، ایک تو یہ کہ شیعوں کے نزدیک قرآن مجید میں ہر نوعیت کی تحریف ہوئی ہے اسلئے اس پر نہ ان کا ایمان ہے اور نہ ہو سکتا ہے، دوسری بحث میں ان کے اس الزام کی تردید ہے، کہ اہل سنت کے یہاں بھی تحریف قرآن کا عقیدہ موجود ہے، اگر شیعہ محققین اپنی جانب تحریف قرآن کی نسبت تسلیم نہیں کرتے، یہ ان کے بعض غالی فرقوں کا ضرور عقیدہ تھا، مگر اس زمانہ کے اکثر شیعوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسی بنا پر عام اہل سنت ان کی تکفیر نہیں کرتے بلکہ انھیں بھی امت کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں اور فرق و مذاہب کی کتابوں میں بھی ان کا اسلامی فرقہ ہی کی حیثیت سے تذکرہ کیا گیا ہے، سنیوں اور شیعوں کا بڑا اور بنیادی اختلاف مسئلہ امامت و خلافت میں بتایا جاتا ہے نہ کہ تحریف قرآن کے عقیدہ میں، اس سلسلہ میں مولانا نے

جو روایتیں نقل کی ہیں، وہ وضعی معلوم ہوتی ہیں ثانیاً جمہور اور محققین علمائے شیعہ ان سے برأت ظاہر کرتے ہیں اب اس قسم کی مناظرانہ بحث کا زمانہ نہیں رہا کیونکہ اس سے خواہ مخواہ تلخی پیدا ہوتی ہے، اس لئے دونوں فرقوں کو موجودہ حالات کے پیش نظر امت میں افتراق و انتشار پیدا کرنے والی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

سلطان شیر شاہ سوری

مرتبہ، جناب حسن آرزو صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۴۳۴ مجلد مع گرد پوش، قیمت پندرہ روپیے۔ ۱۵ پتے (۱) مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ (۲) دانش کدہ، دریاپور، پٹنہ ۴۔

شیر شاہ سوری ایک معمولی جاگیر دار کا بیٹا اور ادنیٰ سپاہی تھا، لیکن اپنی ذہانت و قابلیت کی بدولت ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک بن گیا اس کی زندگی بڑی ہنگامہ خیز اور کارنامے عظیم الشان تھے، مگر ابھی تک اردو میں اس کی زندگی اور کارناموں کے متعلق کوئی مستند کتاب نہیں لکھی گئی تھی انگریزی میں کالکا رنجن قانن گو کی کتاب ضرور اہم خیال کی جاتی ہے، مگر زیر نظر کتاب میں اسکے بعض کمی کسر کو بھی دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ چھ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں سوری خاندان کی ہندوستان میں آمد، شیر شاہ کے آباؤ اجداد کا تذکرہ اور اس کی پیدائش اور دوسرے مشاغل کا ذکر ہے، دوسرے اور تیسرے باب میں شیر شاہ کی مختلف سرگرمیوں ہمایوں سے آویزش، اس کے سلطان دہلی ہونے اور بعض فتوحات وغیرہ کا تذکرہ ہے، چوتھے باب میں اس کی وفات و تدفین کا ذکر ہے، پانچواں باب اس کے تعمیراتی کارناموں کے لیے خاص ہے، اس میں اس کے اور اس کے دور کے دوسرے مقابر اور کتبوں کے متعلق معلومات کے علاوہ شیر شاہی سڑکوں، سکوں اور نظم مملکت پر بھی بحث کی گئی ہے، آخر میں شیر شاہ کے فرزند سلیم شاہ سوری کے ہشت سالہ دور حکومت کا تذکرہ اور شیر شاہ

کے شجرے اور دو اہم کتبوں کا عکس دیا گیا ہے، لائق مصنف نے یہ کتاب محنت و جستجو اور خوش سلیقگی سے مرتب کی ہے، ان کا ادبی ذوق بھی اچھا ہے، اس لئے اس قدر خشک موضوع کے باوجود تحریر کی رعنائی و شگفتگی میں فرق نہیں آیا ہے، اس کا اندازہ ابواب کے عنوانات سے بھی ہوتا ہے، مگر ص پر کتابت کی غلطی سے ماٰخذ کو مواخذ لکھا گیا ہے، ص۱۱۶ پر ایک جگہ سلیم شاہ المعروف بہ اسلام شاہ اور دوسری جگہ اسلام شاہ المعروف بہ سلیم شاہ لکھا ہے۔ ص۹۱ پر شیر شاہ کے روضہ کے کتبہ کی مندرجہ ذیل عبارت بنی فی سنۃ خمسین و السبع و تسعمائۃ میں عربیت کے قاعدہ سے دو غلطیاں ہیں، اول یہ کہ السبع کے بجائے صرف سبع (بغیر الف لام) ہونا چاہئے تھا، دوسرے یہ کہ سبع کو خمسین کے بعد نہیں اس سے پہلے آنا چاہئے تھا، اسی طرح ص۱۲۶ کے کتبہ میں بنی کردہ پیارہ اسماعیل" میں پیارہ غلط ہے، صحیح بندہ ہوگا، آگے سہور کے بجائے شہور ہونا چاہئے، اور سد اربعین بھی غلط ہے۔ کیونکہ عربی میں ۶۴ کے لیے ست و اربعین آتا ہے،

منشی دیا نرائن نگم

:- مرتبہ۔ جناب سری نرائن نگم صاحب تقطیع کلاں، کاغذ کتابت و طباعت بہتر صفحات ۳۰۴ قیمت ۵۰ روپیے پتہ سری نرائن نگم ۵۰ اچلبست روڈ لکھنؤ ۱۲۲۶۰۰۱

منشی دیا نرائن نگم کو اردو سے والہانہ عشق تھا، ان کے رسالہ زمانہ نے اردو صحافت کا معیار بلند کرنے کے علاوہ ملک و قوم کی اخلاقی، ذہنی اور دماغی تربیت بھی کی، وہ ہندو مسلم اتحاد کا علمبردار بھی تھا، اور اس کے صفحات بلا امتیاز مذہب و ملت ہندو مسلمان اہل قلم کے لیے وقف رہتے تھے، گذشتہ برس منشی جی کے صد سالہ یوم پیدائش کے جشن کے موقع پر ان کے فرزندوں نے یہ یادگار صحیفہ شائع کیا ہے، شروع میں عام دستور کے مطابق وزرا اور ارکان حکومت کے علاوہ زمانہ کی سلور جوبلی کے موقع پر موصول ہونے والے پیغام درج ہیں، پھر رسالہ زمانہ سے منشی جی کے معاصرین کے مضامین اور تحریریں نقل کی گئی ہیں جن میں

منشی جی اور ان کے ماہنامہ کے خدماتِ علم و ادب کا اعتراف کیا گیا ہے، تیسرا حصہ نگم صاحب کی نگارشات سے مزین ہے، اور چوتھا حصہ زمانہ کے مضامین، افسانوں اور نظموں کے انتخاب پر مشتمل ہے، یہ دونوں حصے پڑھنے کے لائق ہیں، آخر میں منشی دیا نرائن نگم اور رسالہ زمانہ کے متعلق موجودہ اہل قلم کے مضامین و تاثرات شائع کئے گئے ہیں گو منشی جی کی بے لوث اور عظیم الشان خدمات اس سے زیادہ خراج تحسین کی مستحق تھیں تاہم یہ نمبر بھی غنیمت ہے، منشی جی کی قدر دانی کا خاطر خواہ حق تو اسی وقت ادا ہوگا جب ان کی محبوب زبان کے ساتھ حکومت فراخدلی کا رویہ اختیار کرے اور ان کے اخلاف اس دیا کو بجھنے نہ دیں جو دیا نرائن نے جلایا تھا، یہ دیکھکر حیرت اور عبرت ہوئی کہ اردو کے اس محسن و شیدائی کی یاد میں شائع ہونے والے مجلہ کے لیے نائب صدر جمہوریہ ہند جناب محمد ہدایت اللہ اور یو۔پی کے وزیر تعمیرات عامہ و قومی یکجہتی جناب عمار رضوی نے انگریزی اور ہندی میں اپنے پیغام بھیجے جن کے اردو ترجمے شائع ہوئے مجلہ کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

ایک سویلین کی سرگذشت: مرتبہ جناب سید اطہر حسین صاحب متوسط تقطیع، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۰۳، مجلد مع گرد پوش قیمت ۲۰ روپیے، پتے (۱) دانش محل امین آباد پارک لکھنؤ (۲) سید اطہر حسین آئی، اے، ایس، سول لائن، فیض آباد۔

جناب سید اطہر حسین ریٹائرڈ آئی، اے، ایس، کو اچھا علمی و ادبی ذوق ہے، انکا دینی و مذہبی مطالعہ بھی وسیع ہے، سرکاری ملازمت کے زمانہ میں بھی انھوں نے تصنیف و تالیف کا شغل جاری رکھا، اب اردو و انگریزی میں درجنوں چھوٹی بڑی کتابیں اور کئی شعری مجموعے مرتب کرکے وہ اچھے اہل قلم اور باوقار شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل کر چکے ہیں، یہ کتاب انکی زندگی کی سرگذشت ہے، شروع کے تین ابواب میں وطن، خاندان، ابتدائی و اعلیٰ تعلیم و نیز ہوسٹل کی زندگی کے دلچسپ واقعات درج ہیں، چوتھے باب سے اپنی ملازمت کی داستان شروع کی ہے

جو آخر تک چلی گئی ہے، ملازمت کے زمانہ میں وہ جہاں رہے جن لوگوں سے ان کا سابقہ رہا اور جو واقعات پیش آئے نیز خود انکی زندگی جس نشیب و فراز سے گذری ان سب کا مفصل تذکرہ کیا ہے ان کو سیر و شکار سے بڑی دلچسپی تھی، ہر باب میں اس کا ذکر بھی ذوق و شوق سے کیا ہے اطہر صاحب تقریباً سات برس تک مرکزی حکومت سے بھی متعلق رہے، گیارھویں باب میں اس کی داستان سنائی ہے، ملازمت کے سلسلہ میں انھیں مصر و امریکہ جانے کا اتفاق بھی ہوا دونوں جگہ کے سفر کی دلچسپ روداد تحریر کی ہے، مصر کے سفر میں عمرہ اور روضۂ اطہر کی سعادت بھی نصیب ہوئی اس کا والہانہ انداز میں ذکر کیا ہے، وہ ایک لائق کارگذار اور فرض شناس افسر تھے، اس کتاب سے ان خوبیوں اور انکی خوش انتظامی کا پورا اندازہ ہوتا ہے اس حیثیت سے یہ مؤثر اور سبق آموز ہے لیکن کتابت و طباعت کی بے شمار غلطیاں ہیں، جیسے توجیح، باقائدہ، باقائدگی، چاء، زیتی، عزت، زراعت، ذخیرہ، ضائقہ، تصاویریں، سیدھے سادھے، شہر کی رؤسا، میرے رپورٹ، مسلمانوں کا اقتصادی حالات، باب ہفتم دہم وغیرہ،

اب جن کے دیکھنے کو......: از جناب انیس قدوائی صاحبہ، تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت عمدہ صفحات ۲۰۰، قیمت بارہ ۱۲ روپے پچاس ۵۰ پیسے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر نئی دہلی

اس کتاب میں مختلف طبقوں کے بعض نامور اشخاص کا قلمی خاکہ درج ہے، ارباب سیاست میں مولانا محمد علی، پنڈت جواہر لال نہرو، رفیع احمد قدوائی اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی سیرت و شخصیت کی مصوری کی ہے، سماجی و قومی سرگرمیوں میں حصہ لینے والی خواتین میں مردولا سارا بھائی اور قدسیہ زیدی کی شرافت، رحمدلی، اور خلوص و دلنوازی کا ذکر ہے، بلند علمی و ادبی ذوق رکھنے والے تعلقہ داروں میں اپنے والد محترم ولایت علی بمبوق اور چودھری محمد علی کی باغ و بہار شخصیت کے جلوے دکھائے ہیں، ماہرین تعلیم اور ارباب علم و قلم میں شفیق الرحمن قدوائی اور ڈاکٹر سید عابد حسین کے متعلق تاثرات قلمبند کئے ہیں، اپنے ایک خاندانی ملازم حافظ جمن کا ذکر خیر بھی شوخی و ظرافت کے

پیرایہ میں کیا ہے، تاثرات و مشاہدات پر مشتمل اس مجموعہ کے تیرہ مضامین میں جن اشخاص کا ذکر ہے، ان کی زندگی کے نمایاں خط و خال، اہم خصوصیات و عادات، دلچسپ حالات و واقعات اور عام سرگرمیوں اور دلچسپیوں کی تصویر سامنے آجاتی ہے، مصنفہ مرحومہ کو شوخی و ظرافت اور رعنائی تحریر اپنے والد بزرگوار سے وراثۃً ملی ہے، اس لیے اس کتاب کو پڑھ کر لوگ محظوظ بھی ہوں گے اور اس سے ان کی واقفیت میں اضافہ بھی ہوگا۔

گلشن صادق :- مرتبہ جناب میر وارث علی صاحب تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت معمولی صفحات ۱۵۲ مجلد، قیمت چھ روپیہ پتہ نیو سنٹرل بک ڈپو، ۱۳۷۶، ترمک دروازہ، ناسک سٹی،

حضرت سید شاہ محمد صادق سرمست حسینی عہد شاہجہانی کے ایک بزرگ تھے انھوں نے ناسک کو اپنی رشد و ہدایت اور تبلیغ و اشاعتِ دین کا مرکز بنایا تھا، اس کتاب میں جناب میر وارث علی نے ان کے حالات ذرا تفصیل سے عقیدت مندی سے لکھے ہیں، اس میں پہلے حضرت صادق کی ناسک میں تشریف آوری، وہاں کے لوگوں میں انکے اثر و نفوذ کے علاوہ انکے مرشد و مسترشدین، زوجہ و اولاد اور ان امراء و سلاطین کا تذکرہ ہے جو انکے دامن فیض سے کسی درجہ میں وابستہ تھے جیسے شاہزادہ خرم، ممتاز محل، سردار ملک عنبر وغیرہ، پھر انکی کرامتوں، انکے عرس کی مروجہ رسموں اور انکے خانوادہ سے تعلق رکھنے والے بعض ممتاز اشخاص کا ذکر ہے، آخر میں ناسک اور اسکے قرب و جوار کے چند اور بزرگوں کا حال بھی تحریر کیا گیا ہے حضرت سرمست جیسے بزرگ کے تذکرہ کی ترتیب و اشاعت ایک نیک اور مفید کام ہے، مگر اس میں انکی کرامتوں، ان کے اور دوسرے بزرگوں کے مزاروں اور عرسوں میں ہونے والی فضول رسموں بلکہ بعض بدعتوں کا تو مفصل ذکر کیا گیا ہے، مگر ان کے ارشادات و تعلیمات اور تبلیغ و اشاعت دین کے واقعات نہیں قلمبند کئے گئے ہیں، یہ بڑی کمی ہے صوفیہ و مشائخ سے عقیدت اور حسن ظن ضرور موجب خیر و برکت ہے مگر ان سے استمداد و استعانت غلط ہے، جس کا ذکر مصنف نے ص ۱۳ پر کیا ہے شروع میں حمد، عام پیغمبروں اور آنحضرت صلعم نیز بعض صوفیائے کبار کا تذکرہ بے محل کیا گیا ہے، اس سے خواہ مخواہ کی طوالت ہو گئی ہے، زبان و بیان کے لحاظ سے کتاب میں بڑی ناہمواری ہے اور بعض لفظوں کا املا بھی درست نہیں ہے۔

"ض"

٢٤١

جلد ۱۳۱ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۳ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۸۳ء عدد ۴

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ